رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون

اشاعت اسلام

اُردُو ترجمہ

اِسلامک ریویو اینڈ مُسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری و مولوی صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت سالانہ تین روپے

اِس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مُسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

جلد (۳) | بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء | نمبر (۹)

فہرست مضامین

یونین سٹیم پریس لاہور میں [illegible] پرنٹر کے اہتمام سے چھپوا کر مرزا یعقوب بیگ بی اے [illegible] سکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

جلد (۳) بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء نمبر (۹)

شذرات

ایک دلچسپ چٹھی میں ایک صاحب اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہوئے اسلامی نماز کی ظاہری وضع اور حرکات کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں جس کا جواب خواجہ کمال الدین صاحب نے دیا ہے۔ سوال یہ ہے :-

"عبادت کرنیوالا محبّت کے جوش سے عبادت کرتا ہے اور ظاہری اوضاع و حرکات کو مدِ نظر نہیں رکھ سکتا اور وہ سب عبادت کرنیوالوں کو یکساں سمجھتا ہے اور کسی شخص کو کافر یا مردود نہیں ٹھیراتا۔ دعا کیحالت میں ایک شخص جو بکلّی خدا کے جلال اور عظمت پر غور کرنے میں محو ہے اُسے کسی دوسری چیز کا احساس نہیں ہو سکتا حضرت علی رضؓ کی ران میں سے نماز کی حالت میں تیر باہر نکالا گیا۔ اور آپ نے اس کو محسوس نہیں کیا"

محبّت بیشک ہماری نماز کی روح ہے اور ہونی چاہئیے لیکن سوائے اسلام کے کسی مذہب نے اس خیال کو پورا پورا مدِ نظر نہیں رکھا۔ اور اسلام نے دعا کے اندر جن صفاتِ الٰہی کو بالخصوص چُنا ہے۔ وہ اِس غرض کو کمال تک پہنچانے والی ہیں۔ محبّت اور عبادت حُسن اور احسان

کا نتیجہ ہیں۔ اور اسلامی نماز میں اللہ تعالیٰ کا وہ حُسن اور احسان یاد دلایا گیا ہے جو عالم کی پیدائش میں ایسے رنگ میں ظاہر ہُوا ہے۔ کہ یہ ہماری خوشی میں مُعاون ہو اور ہماری ضروریات کا متکفل۔ جو چیزیں ہماری خوشی کا موجب ہوتی ہیں وہ ہماری نظر میں محبوب ہو جاتی ہیں اور جو چیز ہماری خواہشات کے پُورا ہونے میں رُکاوٹ ہو جائے وہ ہمارے لیئے قابل نفرت ہو جاتی ہے۔ سارا عالم ہمارے لیئے خوشی کا سرچشمہ ہے۔ اسلیئے اس عالم کو وجود میں لانیوالے قائم رکھنے والے پالنے والے کیلیئے ہمارے دِل میں محبت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور الحمدللہ رب العالمین میں اُسی کی طرف ہمیں توجہ دلائی گئی ہے۔ جب یہ کلمہ ہمارے مُنہ سے نکلتا ہے تو بے اختیار دل میں اُس ذات پاک کی بے انتہا محبت پیدا ہوتی ہے۔

پس یہ تو ضروری ہے کہ خُدا کی عبادت میں محبت اور شکرگذاری انسان کے دل میں بھری ہُوئی ہو لیکن اندرُونی جذبۂ محبت میں اور اُس کے اِس اظہار میں جو اِس طرح لفظوں میں ہم کرتے ہیں کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کی جاسکتی تمام انسانی دائرہ خیالات میں کوئی پہلو بھی اندرُونی نشو ونما کا ایسا نہیں جس میں خارجی امُور مُعاون نہیں ہوتے۔ نہ ہی درحقیقت اُن خارجی امُور کو ترک کیا جاسکتا ہے جسمانی اور رُوحانی کیفیات کچھ ایسی ملی جُلی ہیں۔ کہ اندرُونی خیال اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور کوئی خارجی اظہار ہمارے دل پر اثر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انسان کی ہر ایک ہیئت اپنے اندر ایک معنے رکھتی ہے۔ اور جو ہیئت جسمانی اختیار کی جاتی ہے۔ وہ دماغ پر ایک خاص تاثیر چھوڑتی ہے۔ اگر یہ فی الواقع حقائق ہیں۔ اور انسانی دِل اُن کے اثر سے بالاتر نہیں تو نماز کی جسمانی ہیئات کیونکر ترک کی جاسکتی ہیں۔

یہ سچ ہے کہ محبت کی آگ ہماری نماز کی اصل رُوح ہونی چاہیئے۔ مگر آگ بھی جلتی ہے تو اس کا شُعلہ ایک خاص ہیئت اختیار کرتا ہے۔ ہمارے الفاظ ہی ہماری دِلی کیفیات کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ اور ظاہری ہیئت کچھ اندرونی حالت کا پتہ بتاتی ہے۔ احساسات محبت کے لیئے بھی اظہار کی ضرورت ہے۔ اور جس طرح ہمارے لفظ ایک اندرونی کیفیت کا مُرقّع

ہوتے ہیں۔ اسیطرح ہماری جسمانی ہیئات بھی قلب کی حالت کا نقشہ دکھاتے ہیں۔ اور جس طرح یہ کہ کر عبادت میں صرف جوش محبت بیکار ہے الفاظ کو ترک نہیں کر سکتے۔ اسی طرح حرکات بھی ضروری ہیں۔ استغراق بیشک ایک مفید چیز ہے لیکن خود استغراق کے لیئے ذہنی طور پر ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کی ضرورت ہے۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ اس حالت میں وہ لفظ جس اصل خیال کو ظاہر کرنے والے ہیں دل کے اندر رہینگے اور دل کے سامنے ایک نقشہ بدل بدلکر آتا جائیگا۔ اسی طرح پر الفاظ کا مُنہ سے ادا کرنا استغراق میں مُعاون ہوتا ہے۔ اور جس طرح الفاظ کسی اندرُونی حالت کا نقشہ ہیں۔ اسی طرح حرکات بھی ایک اندرُونی حالت پر شاہد اور ایک خاص کیفیت کے پیدا کرنے میں مُعاون ہوتی ہیں ÷

اِس سوال کا ایک اَور پہلو بھی ہے بعض احساسات ہمارے اندر پیدا ہوتے ہیں یا بعض خیالات ہمارے دل میں جاگزین ہوتے ہیں۔ اگر ہم اُن خیالات یا جذبات کو نشو و نما دینا چاہیں تو الفاظ کی امداد اُسکے لیئے ضروری ہوتی ہے بعض وقت ایک لطیف خیال معاً دل میں آتا ہے مگر نہایت ابتدائی حالتمیں ہوتا ہے لیکن جبھی کہ ہم قلم اور سیاہی کی مدد سے اُس کا نقشہ کاغذ پر کھینچنا شروع کرتے ہیں۔ تو اس کے سارے نقش و نگار تب ہی اپنی کمال خوبصورتی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ یا اگر ہم اُس کا ذکر کسی دوست سے کریں تو وہ چیز جو دل میں محض ایک بیج کی طرح تھی ایک درخت کی صُورت میں نشو و نما پا جاتی ہے۔ اس قسم کی مثالیں بہت سی دی جاسکتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح ہمارے اندرُونی جذبات اور اُن کے بیرُونی اظہار کے طریقے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں ÷

بھر بہرحال نماز جب ادا کرنی ہوگی تو کوئی خاص ہیئت جسم کی اُس حالت میں ہوگی یعنی کوئی شخص بیٹھا ہوا ہوگا یا لیٹا ہوا ہوگا۔ یا ٹیک لگائے ہوگا یا کھڑا ہوگا پس کیوں نہ ہم اپنی نماز میں وہ خاص ہیئت اختیار کریں جس سے محبت عاجزی کامل فرمانبرداری اور شکرگذاری کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اور جس صُورت میں ہم خوب جانتے ہیں کہ ایک

ہیئت جسم انسانی کی ایسی ہوتی ہے کہ اُس سے تکبر ٹپکتا ہے۔ ایک ہیئت ایسی ہوتی ہے کہ وہ عاجزی پیدا کرتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ہم اپنی نماز میں جو ان کیفیات سے پاک ہونی چاہیئے ایسی ہیئت بھی اختیار نہیں کرینگے۔ پھر عابد کا خیال تو یہ ہونا چاہیئے کہ میں جو خدا کی محبت میں تڑپ رہا ہوں اپنے محبوب کی رضا کو کبھی دست بستہ کھڑا ہو کر چاہوں تو کبھی عاجزی سے اسکے آگے جھک جاؤں اور کبھی کمال انکساری اور کمال محبت دکھانے کیلئے اُسکے آگے گر جاؤں اور جس جس طرح محبت اور عاجزی کا اظہار ہوسکتا ہے اُن تمام طریقوں کو اختیار کروں بس یہی ہیئات مختلفہ اسلام نے اس محبت کے اظہار کے لئے تجویز کی ہیں جن کا اظہار عبادت میں ضروری ہے۔ لیکن اس حالت میں کبر جیسی ناپاک چیز کو اپنے پاس تک نہ آنے دونگا۔ میں خاک ہوں اور خاک میں ہی جانا ہے۔ اور اس بات کے اعتراف میں خاک پر میں اپنا سر اپنے مولا کے سامنے رکھ دیتا ہوں (کمال الدین)

اخبار افریقن ٹائمز سے جولائی کے اسلامک ریویو میں ایک نظم نقل کی گئی ہے جس کا عنوان ہے "یسوع مسیح کی انجیل"۔ اُس میں مسیح کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح ایک انسان تھا۔ اُنہی کی طرح بشری کمزوریاں اُس کے اندر بھی تھیں۔ اُنہی کی طرح وہ بھی کمال کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ بھی ایک خادم نسل انسانی تھا جس طرح ہر ایک انسان ہے۔ اگر وہ خدا کا بیٹا تھا تو اُس معنے میں سب خدا کے بیٹے ہیں۔ جو طاقت اُسے معجزات دکھانے کی دیگئی تھی وہ ہر ایک انسان کو مل سکتی ہے کیسی صاف اور بین صداقتیں ہیں جو قلب انسانی پر اثر کرتی ہیں مگر تعجب ہے کہ باوجود ان سب اعترافوں کے اُسے خدا یا معبود بنایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُس نے وہ کام کیئے جو کوئی انسان نہیں کرسکتا +

ایک ہی فقرہ انجیل کا ہمیشہ کیلئے مسیح کے خدائی کے عقیدہ کی تردید کے لیئے کافی ہے۔ اور یہ ان پانچ فقروں میں سے ایک ہے جنہیں زمانہ حال کے اعلیٰ طبقہ کے منقدین نے مسیح کا اپنا قول قرار دیا ہے۔ اور وہ فقرہ یہ ہے کہ جب کسی نے مسیح کو کہا۔ اے نیک اُستاد تو آپ نے فرمایا۔ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ سوائے ایک خدا کے کوئی نیک نہیں۔ ایک راستباز کی جو

اپنی بشریت اور اپنی کمزوری کا اس طرح معترف ہوتا ہے۔ ان سیدھے سادے الفاظ کی پیچیدہ تاویلیں کرنا تقویٰ کا طریق نہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تو مجھے خدا نہیں مانتا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ ایسی بعید از قیاس تاویل ہے کہ عقل انسانی اسے دور سے دھکے دیتی ہے۔ مسیح کا مطلب صاف ہے حقیقی طور پر نیک وہی ہے جو تمام نیکی کا سرچشمہ ہے انسان عاجز ہے بشری غلطیاں بھی اس سے ہو جاتی ہیں۔ ہاں وہ بھی نیکی کا شیدا تھا اور جس طرح خود نیکی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا دوسروں کو بھی نیکی کی ہدایت کرتا تھا۔ مگر یہ صاف تاویل الفاظ کی خدائی اور کفارہ کے شیدائیوں کو کس طرح پسند آسکتی ہے +

پھر حضرت مسیح کہتے ہیں کسی انسان کو ماسٹر یعنی آقا نہ کہو۔ اور نہ خود آقا کہلوانا پسند کرتا ہے۔ بیشک یہ راستبازی کا بڑا اعلےٰ مقام ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو ہمیشہ خادم سمجھے آقا تو وہی ہے جو سب خدمت و عبادت کا مستحق ہے۔ انسان ہمیشہ خادم ہی رہا ہے۔ اور خادم ہی رہیگا۔ اور خادم رہنے میں ہی اس کا فخر ہے۔ پس نہ مسیح خداوند ہے نہ کوئی دوسرا انسان بلکہ خداوند ایک ہی ہے +

پھر حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ کہ تم سب بھی خدا کے فرزند ہو سکتے ہو اس سے آپکی اپنی خدا کے فرزندی کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ یہی جواب اس نے اپنے مخالفوں کو بھی دیا تھا کہ تم میرے خدا کا بیٹا اپنے آپ کو کہنے پر معترض ہوتے ہو مگر تمہارے بڑے تو خدا بھی کہلائے یعنی جس طرح مجازی رنگ میں وہ خدا یا خدا کے بیٹے کہلائے۔ اسی طرح مجازی رنگ میں میں خدا کا بیٹا اپنے آپ کو کہتا ہوں۔ اور ان معنوں میں ہر ایک انسان خدا کی عبادت سے خدا کا بیٹا بن سکتا ہے۔ کیونکہ وہ خدائی صفات کو اپنے اندر لے لیتا ہے جس طرح بیٹا باپ کے نقوش کو اپنے اندر لیتا ہے۔ یہ تھی مسیح کی خدا کی فرزندی جس کو لفظ پرستوں نے کچھ کا کچھ بنا لیا +

اور سب سے عجیب تر یہ ہے۔ کہ پادری صاحبان مسیح کے معجزات کو اس کی خدائی کی دلیل ٹھیراتے ہیں لیکن انجیل میں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ کہ جو کام میں کر سکتا ہوں۔ وہ تم بھی

کر سکتے ہو۔ افسوس ہے کہ اس راستباز انسان کے کلام سے بھی اُس کے خالی پیرو فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے مگر تابکے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ یہ غلط عقیدہ آخر کار خود بخود اس طرح جاتا رہیگا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے +

سبت

(از قدوائی)

"تو سبت کا دن پاک رکھنے کیلئے یاد کر۔ چھ دن تک تو محنت کر کے اپنے سارے کام کاج کر لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے۔ اسمیں کچھ کام نہ کر نہ تو نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی نہ تیرے حواشی اور نہ تیرا مسافر جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا۔ اور ساتویں دن آرام کیا۔ اسلیئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھیرایا" خروج باب ۲۰ ورس ۸-۱۱ +

یہ اُن احکام میں سے جو خداوند نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کیئے چوتھا حکم تھا حضرت مسیح نے اپنے قول سے (گو اپنے عمل سے ہمیشہ ایسا نہ کیا ہو) اُن تمام احکام کی تائید کی جو حضرت موسیٰ نے دیئے تھے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اُس نے کہا "یہ مت خیال کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا۔ میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں۔ ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے۔ اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا۔ پر جو کر عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا کیونکہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں سے زیادہ نہ ہو۔ تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہو گے۔" متی باب ۵ ورس ۱۷-۲۰ +

اس کے علاوہ اور مقامات پر بھی حضرت مسیح نے احکام شریعت کی تابعداری کی تاکید

کی ہے۔ اب اگر عیسائیوں کا اتوار کو سبت کے طور پر منانا چوتھے حکم کی تعمیل میں نہیں تو خود مسیح اُن کو ملزم ٹھیراتے ہیں۔ اور اگر یہ اس حکم کی تعمیل ہے تو اتوار کے منانے پر جس قدر آزادی سے اس زمانہ میں کام لیا جاتا ہے۔ یہ ایک سخت گناہ کا ارتکاب ہے ۔

کنٹربری کا آرچ بشپ اسبات کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ خدا کی وحی کے مطابق اتوار آرام و عبادت کا دن ہے۔ پادری ڈاکٹر ہارٹن کے نام وہ اپنی چٹھی میں لکھتا ہے" خداوند کا دن محض اتفاقی طور پر ایکدن کا منانا نہیں جو عیسائی مذہب میں دست اندازی کے بغیر ترک کیا جاسکتا ہو۔ یہ حواریوں کے دنوں سے کلیسیا کی زندگی کے اندر داخل ہو چکا ہے۔ اور وہ اصول جس کو یہ اپنے اندر لیئے ہوئے ہے یعنی آرام اور عبادت کا اصول جس قدر بھی اسکو پیچھے لیجائیں خدا کی وحی اور خدا کے کلام کے اصل سرچشمہ میں جاملتا ہے"۔ وہ اتوار کو خدا کا عطیہ قرار دیتا ہے۔ پس اب جبکہ جنگ جاری ہے اسکو کیا حق ہے کہ اس کے نہ منانے کی اجازت دے کیا یہ فرض کرلیا جائے۔ کہ اسکے الفاظ کی وقعت خدا کے کلام سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ کس طرح اُمید رکھتا ہے کہ محض اُس کی اجازت کی وجہ سے جو خدا کے حکم کے صریح خلاف ہے مرد اور عورتیں" ایک صاف ضمیر کے ساتھ" میدان جنگ میں کام کر سکتے ہیں ۔

اُس کا عذر یہ ہے کہ آج کے حالات غیر معمولی ہیں۔ مگر کیا اس عذر کو پیش کرنے سے اُس کا یہ منشاء ہے۔ کہ علیم خبیر خدا کو یہ علم نہ تھا کہ ایسی اشد ضرورتیں اور ایسے غیر معمولی حالات پیش آسکتے ہیں جن کا یہ تقاضا ہوگا۔ کہ سبت کے منانے میں خدائی حکم کو بھی چھوڑنا پڑیگا پھر کیوں خدا نے خود اس حکم کو مشروط نہ کیا۔ کنٹربری کے آرچ بشپ کو کیا اختیار ہے۔ کہ وہ خدا کے حکم کے کو عارضی طور پر ہی سہی مخالف حکم دے سکے۔ اور یہ کہا جائے کہ ایک مرتبہ خود مسیح نے بھی اس حکم کو بھی توڑا تھا۔ تو اُس کا جواز تو یوں کیا جاتا ہے۔ کہ چونکہ وہ خود خدا تھا اسلیئے خدا کے قول کے مخالف کر لینے کا اُسے اختیار تھا۔ مگر کیا کنٹربری کا آرچ بشپ اپنے لیئے اور انگلستان کے لوگوں کے لیئے اسی خاص حق کا مدعی ہے جو مسیح کو حاصل تھا؟

اصل بات یہ ہے کہ روز بروز یہ ثابت ہوتا چلا جاتا ہے۔ کہ مسیحی عقائد اور مسیحی طرز خیال ایک ترقی کرنیوالی نسل انسانی کی رہنمائی کے لیئے ناکافی ہیں مسیحیت کا عملی اثر صفر کے

قریب ثابت ہؤا ہے +

بائبل میں مسیح کی زندگی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے۔ وہ پُرانے زمانہ کے اُن توہم پرست دلوں پر اثر ڈال سکتی ہے۔ جو محض اسباب سے مرعوب ہو جائیں کہ اُن کے سامنے عجیب و غریب معجزات کی کہانیاں بیان کردی جائیں۔ یا جن کے اندر محض اس قسم کی نیکیوں کی عزت کا جوش پیدا کیا جاسکے جو متحملانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہوں جیسے بردباری اور فروتنی۔ یہی وجہ ہے کہ پوپوں اور پادریوں نے ہمیشہ اسباب کے لئے پورا زور لگایا ہے۔ کہ ان قلوب کے جو ان کے ماتحت ہیں محققانہ خیالات کی رو کو دباتے رہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ معقولیت کا زمانہ یورپ میں اس وقت شروع نہیں ہؤا جبتک کہ اسلام نے اس اثر کو پاش پاش نہیں کردیا۔ جو پادریوں نے لوگوں کے دلوں پر پیدا کر رکھا تھا۔ اور جب تک کہ مسلمانوں نے یورپ میں علوم اور سائنس کے مدرسے اور کالج نہیں کھولے اسی بائبل کی بنا پر سپانیہ کی وہ مہیب اور ظالمانہ مذہبی عدالت قائم کی گئی جس نے ہزارہا زندہ انسانوں کو جلتی آگ کے شُعلوں کی نذر کیا۔ اور بڑے بڑے حامیان سائنس اور علمی آدمیوں کے مصائب اور تکلیف وہی کا موجب بنی رہی۔ اور جبتک کہ پادریوں کی حکومت رہی اس وقت تک علمی تحقیقات اور ترقی بالکل رکی رہی۔ بلکہ ناممکن ہوگئی۔ اور توہم پرستی اور تنگدلی کا دور دورہ رہا +

وہ کہانیاں جو مسیحیت کے نام میں سکھائی جاتی ہیں۔ ایک ترقی کرنیوالی نسل انسانی کے لئے کبھی رہنمائی کا کام نہیں دے سکتیں۔ نہ ہی بائبل میں جو کچھ مسیح کی زندگی اور تعلیم کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جو محض جزانہ طور پر صرف تین سال گلیل کے ماہی گیروں کو تعلیم دیتا رہا۔ اور جو اپنی تمام زندگی دُکھوں اور تکلیفوں کا نشانہ بنا رہا۔ اور آخر کار صلیب پر چڑھایا گیا۔ وہ بیسویں صدی کے پیچ در پیچ زندگی کے شُعبوں میں نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔ ترقی یافتہ نسل انسانی صرف ایسے خدا کے فرستادہ سے ہدایت حاصل کرسکتی ہے جس نے خود اپنی زندگی ایک مُعلّم۔ ایک مُدبّر۔ ایک سپاہی۔ ایک مُقنّن۔ ایک کاروباری آدمی۔ ایک عابد اور ایک بادشاہ کی حیثیت میں گذاری ہو۔ وہ جس نے سلطنتوں اور

قوموں کی بنیادیں ڈالیں۔ وہ جس نے زندگی کے عملی اور اصولی اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاقی سبق
سکھائے وہ جس نے عورتوں اور غلاموں کو آزاد کیا وہ جس نے دُنیا کو جمہوری بنایا نہ خیال
میں اور کتابوں بلکہ عملی طریقوں سے +

اور یہی راہ ترقی یافتہ نسل انسانی اختیار کر رہی ہے جیسا عیسائی ملکوں کے
مدبرین انسان کی بھلائی اور خوشحالی کے لئے شراب کے استعمال کو روکنے کی کوشش کرتے
ہیں جو اُن کو بائبل سے کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ بلکہ بائبل اس بارہ میں اُن کو غلط راہ پر
ڈالتی ہے۔ اس موقع پر مسیح کی شخصیت بھی اُن کی مدد نہیں کرتی۔ بعض امور میں اس کی زندگی
کا جو نقشہ اناجیل میں کھینچا گیا ہے وہ آج کل کے لوگوں کی اصلاح میں بجائے معاون ہونے کے
روک ثابت ہو رہا ہے۔ مسیح کو خود مے فروشوں کا دوست کہا گیا ہے۔ اُس کے معجزات
میں بھی شراب کا بنانا پایا جاتا ہے پس مے نوشی کے انسداد میں اُس کا نمونہ کیا کام دے سکتا ہے
مقننین کو جب شراب نوشی کے روکنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اُنہیں اسلام کی طرف رجوع
کرنا پڑتا ہے نہ عیسائیت کی طرف۔ اس کا نمونہ اُنکو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں
ملتا ہے نہ مسیح کی زندگی میں +

اِسی طرح جب مسیحی ممالک کے مصلحین اور قانون سازوں کو ایک گری ہوئی سوسائٹی کی
مدنی اِصلاح کی ضرورت پیش آئے تو انجیل کی ورق گردانی کرنا ایک بیسود کام ہوگا۔ مسیح نے
کبھی انسانوں کے تعلقات تمدن کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو لوگ اُسکی زندگی کی پیروی کرتے
ہیں انہیں خانقاہوں اور صومعوں میں اُس کی تلاش کرنی پڑتی ہے جو اپنے بھائیوں سے
قطع تعلق کر کے علیحدہ ایک گوشہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس ان طریقوں اور راہوں کو
سیکھنے کیلئے جو انسانی سوسائٹی کو سنجیدہ درست اور صاحب اخلاق بنا سکتے ہیں۔ عیسائی
معلمین کو قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی طرف توجہ کرنی ضروری ہے +
سبت کے بارہ میں بھی یہی بہتر ثابت ہوگا۔ کہ ہم قرآن اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف متوجہ ہوں پہلا کام جو قرآن کریم نے کیا وہ یہ تھا کہ جس قدر امور اللہ تعالیٰ کی صفات
کاملہ کے منافی تھے اُن کو دور کیا۔ چنانچہ خلق عالم کے مسئلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کی

اس غلطی کو دور کیا کہ اللہ تعالےٰ نے ساتویں دن آرام کیا۔ اور بتایا کہ خالق کون و مکان تکان کے نقص سے پاک ہے۔ دو کروڑ بھی آسمان اور زمین بنانے سے وہ تھک نہیں سکتا۔ ذات باری ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم (البقرہ - ۲۵۶) اللہ وہ ذات مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے کہ اسکے سوائے کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ زندہ۔ قائم بالذات ہے۔ اسکو اونگھ (جو تکان کا نتیجہ ہے) نہیں آتی نہ نیند آتی ہے۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو اس کے ہاں شفاعت کر سکتا ہے مگر اس کے اذن سے وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اسکے جو وہ چاہے اس کا تخت (یا علم) آسمان و زمین پر پھیلا ہؤا ہے۔ اور ان دونوں کا نگر رکھنا اُسے تھکاتا نہیں اور وہ بلند عظمت والا ہے*

---

* اس سے بھی بڑھ کر صراحت کے ساتھ خلق عالم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب تحقیق ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے چھ ایام میں پیدا کیا۔ اور ہم کو تکان نے نہیں چھوا (ق ۳۸) چھ ایام سے مُراد چھ زمانے ہیں جیسا کہ مفسرین نے بھی لکھا ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں یوم کا لفظ ایک آن سے لیکر لمبے سے لمبے زمانہ پر بولا جاتا ہے۔ اور خود قرآن کریم میں ہزار سال کے یوم اور پچاس ہزار سال کے یوم کا ذکر ہے تو فرمایا۔ کہ چھ یوم میں پیدا کرنے کے یہ معنے نہیں کہ وہ تھک گیا تھا۔ بلکہ اسکے سارے کام تدریجی ہیں۔ اسلئے خلق بھی تدریجی ہے۔ نہ ہی زمین اور آسمان اور جو کچھ اُن کے اندر ہے ان کو پیدا کرنے کے بعد اس کو کوئی تکان محسوس ہُوئی تھی جو اُسے آرام کی ضرورت ہوتی۔ ایسا ہی دوسری جگہ اسی صورت میں اس عالم کی خلق کا ذکر کرتے ہوئے جو عالم معاد ہے فرمایا۔ افعیینا

اگر ہم سبت اسلیئے مناتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن زمین اور آسمان کی پیدائش کا کام کر کے تھک گیا تھا۔ اور ساتویں دن اس نے آرام کیا۔ تو ہم کفر کی بات کہتے ہیں۔ خدا کے قانون خلق میں ہم کو کوئی تکان یا آرام نظر نہیں آتا ہفتہ یا اتوار کے دن عام بڑھنا رُک نہیں جاتا۔ خود ہمارا دل جو اس قدر کام میں لگا رہتا ہے وہ اپنا کام چھوڑ نہیں دیتا۔ دُنیا میں زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہے جو کوئی سبت نہیں مناتے اور یہ ان سے بڑھکر ہے جو سبت منانے والے ہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا ہم سے بھی رہگیا۔ کہ چھ دن کام کرنے سے وہ تھک جائے +

پس یہ مسئلہ کہ سبت یا اتوار آرام کے لیئے بنایا گیا ہے کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اور اس کی بنا پر اتوار کو کام کرنا چھوڑنا ضروری نہیں۔ بڑی بڑی لڑائیوں میں کبھی لوگوں نے اتوار کو ایکدوسرے کے گلے کاٹنے بند نہیں کر دیئے۔ تاریخ کے بعض بڑے بڑے عظیم الشان جنگ اتوار کے دن ہی ہوئے ہیں۔ باقی رہا یہ کہ اس دن کو مخصوص کرنے کی اصل غرض اور اہم مقصد اس کو عبادت کے لیئے الگ کرنا ہے۔ اس کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ کہ کیوں اتوار کا دن خصوصیت سے عبادت کا دن سمجھا جانا چاہیئے سوائے اس کے تثلیث کفارہ خدا کے بیٹے کی طرح یہ بھی پُرانی بُت پرستی کا ورثہ ہے جو عیسائیت نے لیلیا۔ کیونکہ بُت پرستوں کا سُورج کا دن۔ جو دن سُورج کی عبادت کیلئے خاص تھا اُسے خدا کی عبادت کے لیئے خاص کیا جائے۔ اسکی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی؟ کیوں ایک انسان ہر روز عبادت نہ کرے۔ اور کیوں وہ ساتویں دن سوائے عبادت کے کچھ نہ کرے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۴

بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید (ق-۱۵) کیا ہم پہلی خلق (ارض وسما) سے تھک گئے ہیں؟ بلکہ وہ نئی خلق کے متعلق شک میں ہیں۔ یعنی اگر تو ایک خلق سے ہم تھک گئے ہوتے تو کسی شک کرنے والوں کو گنجائش تھی کہ وہ کہہ دیتا۔ کہ اب نئی خلق خدا کس طرح کریگا لیکن جب خلق اول نے ہم کو تھکایا نہیں۔ تو خلق ثانی میں شک کی کیا گنجائش ہے عیسائی جو یہ اعتراض کرنے کے عادی ہیں۔ کہ اسلام نے اپنی تعلیم انکی کتابوں سے لی ہے غور کریں۔ کہ کس طرح قرآن کریم نے اُن کی ایک غلطی کو دور کیا ہے (ایڈیٹر)

یہ دونوں امر اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتے۔ خدا کی عبادت اور انسان کی بہتری کا کام دونوں اکٹھے ہو سکتے ہیں اور اکٹھے ہونے چاہئیں +

مسلمانوں کا کوئی سبت نہیں ان کے ہاں کوئی خاص دن عبادت کے لیئے مخصوص نہیں۔ وہ اپنی عبادت ہفتہ کے ہر دن میں کرتے ہیں۔ اور وہ بھی ہر روز کم از کم پانچ مرتبہ وہ حقیقتاً اس بات پر ایمان لاتے ہیں۔ کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ اگر وہ اپنے دستر خوان پر دن میں پانچ وقت جاتے ہیں۔ تا کہ وہ جسمانی خواہش کے تقاضا کو پورا کریں تو وہ اپنی مسجدوں میں بھی دن میں پانچ دفعہ جاتے ہیں۔ تا کہ اپنی رُوحانی تقاضاؤں کو پُورا کریں نماز کے وقت جب نماز کے لیئے پُکارا جاتا ہے۔ تو سب مسلمان اپنے کاروبار کو چھوڑ کر نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور نماز کے فراغت کے بعد پھر اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ جمعہ کے دن اُن کو دوپہر کی نماز کے مُتعلق خصوصیت سے جماعت میں ادا کرنے کا حُکم ہے یہ مگر یہ حکم کس قدر معقول ہے جیسے کہ درحقیقت اس کے سارے ہی احکام ہیں سُورۃ جُمعہ کے دوسرے رکوع سے معلوم ہوتا ہے +

یا یھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع ذٰلکم خیرٌ لّکم ان کنتم تعلمون فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون +

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کے لیئے پُکارا جائے۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ آؤ اور کاروبار کو چھوڑ دو۔ یہ تُمہارے لیئے بہتر ہے اگر تُم جانو۔ اور جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کی چیزوں کی تلاش میں لگ جاؤ۔ اور اللہ کو بہت یاد رکھو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ +

انگلستان کے عیسائی لوگ اور خود آرچ بشپ صاحب کنٹربری اتوار کو بلا اپنے نُور قلب پر بوجھ ڈالنے کے کام کر سکتے ہیں۔ نہ صرف اب جبکہ ایک سخت ضرورت پیدا ہو گئی ہے بلکہ ہمیشہ ہے۔ اگر وہ اس فلسفہ کو سمجھ سکیں جو مذکورہ بالا آیات میں پایا جاتا ہے جو خدا کی آخری کامل ترین اور عملی بشارت یعنی قرآن کریم میں ہیں۔ جو چیز اللہ تعالےٰ ہم کو اپنے

بھلے کیلئے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم اپنی رُوحانی خواہشات کے تقاضا کی طرف سے غافل نہوں ہمیں یہ مناسب نہیں کہ اپنے جسم یا دوسرے انسان کی جسمانی بھلائی میں اس قدر منہمک ہو جائیں۔ کہ اپنی رُوحانی ضروریات اور نسل انسانی کے فوائد کو بالکل بھول جائیں۔ ہمیں نماز کی طرف جب بُلایا جائے۔ تو اُس آواز پر خوشی سے لبیک کہنا چاہئے۔ لیکن جب نماز ختم کرلیں تو پھر خُدا کے فضل کی تلاش میں لگ جائیں +

اسلام کے نزدیک محنت اور کام انسانی کی موروثی اور فطری گناہ کی سزا نہیں محنت کرنا اور کام کرنا اسلام کی تعلیم کی رُو سے خُدا کے فضل کی تلاش کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وابتغوا من فضل اللہ۔ کھیت میں جا کر کام کرنا تاکہ قوم کے لئے غذا کا سامان پیدا کیا جائے۔ عیسائیوں کے نزدیک اگر ایک پاک کام نہیں تو نہ سہی۔ مگر ایک مُسلمان کے نزدیک تو نہ بھی ایک اعلےٰ درجہ کی نیکی کا کام ہے۔ کیونکہ اس کا نام اللہ کا فضل رکھا ہے۔ اگر محنت کا کام عیسائیوں کی عبادت اور دُعا کے مفہوم کے خلاف ہو تو ہو مگر ایک مسلم کا مذہب تو اُسے یہ سکھاتا ہے۔ کہ عبادت اور دُعا ایک رنگ میں خُدا کے فضل کی تلاش ہے پس کھیت میں کام کرنا یا کسی اَور جگہ محنت کا کام کرنا اتوار کو ہو یا جُمعہ کو ایک عزت اور شرافت کا کام ہے۔ اور اسلیئے کوئی دن اُس کے کرنے کیلئے مانع نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کے نزدیک ہر دن عبادت کا دن ہے۔ اور ہر محنت کا کام جو دیانتداری سے کیا جائے۔ ایک عزت کا مقام رکھتا ہے پس محنت کی عزت بڑھانے کا کام بھی اسلام نے کیا ہے نہ عیسائیت نے اور اگر نسل انسانی محنت کو عزت کی نگہ سے دیکھنا چاہتی ہے۔ تو اُس میں اس کا رہنما اسلام ہی ہوسکتا ہے نہ عیسائی مذہب۔ یہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تھے نہ مسیح جنہوں نے فرمایا الکاسب حبیب اللہ محنت سے کام کرکے کمانے والا خدا کا دوست ہے۔ ہاں مسیح کے نمونہ نے اس کے پُرجوش پیرووں کو راہبوں کی حیثیت میں تجرد اور تنہائی کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ وہ اپنی آگ آپ جلائیں۔ اپنی جوتیوں کو آپ پیوند لگالیں اپنے کھیتوں کی آپ کاشت کریں۔ اور

اور اپنی جنگیں آپ کریں۔ جس طرح کہ انسانوں کو کرنا چاہیئے +

اسکے متعلق ایک اور بات ہے جو یاد رکھنی ضروری ہے۔ کہ عیسائی اپنی ضمیر کو مسیح کی کسی نائب کے سپرد کرتے ہیں۔ کہ وہ بطور ایک متوتی کے اس کا ہادی بنا رہے خواہ وہ نائب پوپ ہو جو روما میں ہے یا کنٹربری کا آرچ بشپ ہو مگر مسلمان صرف اللہ تعالےٰ اور اُس کے کلام اور اسکی وحی کو ہی اپنے اوپر حکم سمجھتے ہیں۔ خدا کی کتاب اور خدا کا کلام جو آخری نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا وہ کامل ہے مسلمانوں کا خدا آئندہ کی باتوں کو اسطرح جانتا ہے جس طرح گذشتہ اور حال کو۔ اور اسلیئے جب اُس نے ایک کامل قانون بنایا۔ تو یہ ناممکن ہی تھا کہ وہ اُن حالات کو مدنظر نہ رکھتا جو آیندہ مسلمانوں کو پیش آنے والے تھے پس یہی ایک کتاب ہے جس کی طرف تمام ترقی کرنیوالی قوموں کو متوجہ کرنا پڑیگا۔ خواہ رنگ اور قومیت اور مُلک اور زمانہ میں وہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رکھتی ہوں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک انسان ہے جس کے قدموں پر ان سب لوگوں کو گرنا ہوگا۔ اور جس سے ان سب کو نور حاصل کرنا ہوگا جو انسانی کاروبار کو ایک درست راہ پر رکھنا چاہتے اور نسل اِنسانی کے فائدہ اور ترقی کے خواہاں ہیں +

یہ ایک امر واقع ہے گو کتنا ہی تعجب خیز کیوں نہ ہو کہ مسیح کی ایسی تصویر کیلیئے جو اسکے لیئے ایک معقول قلب انسانی میں محبت پیدا کر سکے ہمیں نئے عہد نامہ کو چھوڑنا اور قرآن کریم اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے +

ایک دہریہ کے مطالعہ کیلیئے

نمبر ۱

کیا ہمیں بہت سی ایسی خواہشات اور ضروریات لاحق نہیں۔ جن کے پورا کرنے کیلیئے ہم اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے؟ ہماری تمام کوشش ان ذرائع کے حصول پر صرف ہو جاتی ہے۔ جن سے ہماری قدرتی ضروریات پوری ہو سکیں۔ تمام وہ امور جن کو ہم تہذیب کے نام سے موسوم کرتے ہیں صرف انسان کی طاقتوں کو اس

طرف خرچ کرنے سے ہی پیدا ہوئے ہیں خوشی و خوشحالی کا حصول اور دُکھ اور تکلیف کا دفعیہ زندگی کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے مگر کیا پوری رضامندی اور خوشی ہماری قدرتی خواہشات کی مناسب تکمیل نہیں ؟ ہم قانون قدرت میں دو چیزوں کی ہستی کا انکار نہیں کر سکتے جنہیں سے ایک تو ہماری ضروریات ہیں - اور دوسری نظام عالم میں اُن کو پورا کرنیوالے ذرائع کی موجودگی ہمیں کان اور آنکھ عنایت کیئے گئے ہیں - اسلیئے ہمیں نغمہ ہائے شیریں اور خوشگوار نظاروں کی ضرورت ہے ، پس ان کی ان ضروریات کو پورا کرنے کیلیئے نفیس اور اچھے اچھے علوم و فنون کا استعمال کیا جائیگا ہمیں شرب و نوش کے لیئے عمدہ پانی اور نفیس کھانوں کی ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لیئے ہم نے دُنیا چھان ماری ہمیں اس سے بھی زیادہ بڑی بڑی خواہشات لاحق ہو جاتی ہیں مگر اُن کے پورا کرنے کیلیئے بھی ہمیں کوئی دُکھ اور تکلیف اُٹھانی نہیں پڑتی - ہم محبت رحم اور فیاضی کے گرویدہ ہو جاتے ہیں پس ہمیں اُن کی نمائش کیلیئے کوئی نہ کوئی موقعہ ضرور تلاش کرنا چاہیئے - چاہے وہ کچھ خرچ کرنے سے ہی ہاتھ آئے - اسی طرح کیا ہم میں تعریف - مدح اور شکریہ کی قابلیت نہیں - پھر کیا ہم اس وقت جبکہ ہمارے سینہ میں اُن کا جوش پیدا ہو - ان مؤثر باتوں کا اظہار نہیں کرتے - ان شریفانہ خصائل کے اظہار کے موجب کرم گستری اور خوبصورتی کے سوائے اور کچھ نہیں - کیونکہ اُن سے خوشی اور خوشحالی نتیجۃً ہوتی ہے - ایک سخت سنگدل اور بے رحم آدمی بھی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا - پس ہم خوبصورتی اور فیاضی کی صفات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں - اور جب وہ صفات ہم میں پیدا ہو جائینگی - تو ہماری تعریف اور شکریہ کا احساس جوش میں آئیگا - اور بالآخر ظاہر ہو کر رہیگا مگر خوبصورتی اور فیاضی کی صفات ہم کو بیجان چیزوں کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہیں - کیا ایسی حالت میں ہمیں ان کی بھی تعریف کرنی چاہیئے - اور اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے ؟ نہیں بلکہ ایسا کرنا سراسر بیوقوفی کا کام متصور ہوگا - اگر کسی علم و فن کی چیز کی خوبصورتی نے ہماری خوشی میں اضافہ کیا ہے - تو ہمیں شکریہ یا تعریف کی مستحق اس چیز کو نہ ٹھیرانا چاہیئے - بلکہ اس امر کیلیئے اس ہستی کی طرف ہی نگاہ رکھنی چاہیئے - جس نے اس چیز کو ہمارے لیئے عیاں کیا - یا اسے مہیا کیا ہے +

کیا ہمارے ارد گرد کا نظام عالم ہی ہماری خوشیوں کا منبع اور سرچشمہ نہیں؟ کیا دنیا کے ایک چھوٹے سے ذرے سے بھی خوبصورتی اور فیاضی کا اظہار نہیں ہوتا؟ کیا اسکی گوناگون خوبیاں ہمارے حمد و ثنا کرنے والے خیال کو نہیں ابھارتیں۔ تو پھر کیا یہ امر خلاف قانون قدرت ہے کہ کسی چیز کی خوبیوں سے فائدہ اٹھا کر اس کے شکریہ کا اظہار کیا جائے۔ مگر ہم کبھی گونگی اور بیجان و مردہ اشیاء کا شکریہ ادا نہیں کیا کرتے۔ بلکہ ہم ہمیشہ اپنے شکریہ کا تحفہ کسی ذی عقل ہستی کے آگے ہی پیش کیا کرتے ہیں۔ جو اس ہماری خوشیوں میں اضافہ کرنیوالی شے کو بنانے یا مہیا کرنیوالی ہو۔ پس ان حالات میں اگر ہم اپنے چاروں طرف کی اشیاء سے مستفید ہو رہے ہوں۔ تو ہمیں اس استفادہ کے شکریہ کے لئے کس کو مخاطب کرنا چاہیئے۔ شکر گذار ہونا انسانیت کا تقاضا ہے۔ اور کسی ایسی چیز کو تلاش کرنا جس پر اپنے شکریہ کا اظہار کیا جا سکے ایک فطرتی امر ہے۔ کیا ہمیں گونگی دنیا کی تعریف کرنی چاہیئے۔ اور مردہ و بیجان مادہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے؟ اگر ہم ایسا کرینگے۔ تو گویا ہم اپنی اسی فطرت کے خلاف کارروائی کرینگے پس ہمیں کسی ذی روح ہستی کی ضرورت ہے، جو ہماری حمد و ثنا اور شکریہ کی مستحق ہو۔ یہ صرف ایک فطرتی خواہش ہے۔ ہاں ہماری فطرت کسی عقلمند فیّاض کو ڈھونڈتی ہے جس سے کچھ فائدہ اٹھانے پر اس کے آگے ہم اپنے شکریہ کا ہدیہ پیش کر سکیں۔ خدا ئیتعالے کی بیشمار رحمتیں اور برکات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں۔ جن پر انسانی فطرت کے یہ تمام راز کھول دیئے گئے۔ اسلام کی پاک کتاب قرآن مجید کیا ہی شاندار پیرایہ میں خدائیتعالیٰ کی ہستی کو ذیل کے الفاظ میں ہمیں منواتی ہے۔ اس نے خوبصورتی اور فیّاضی کے متعلق جو فطرت انسانی میں ودیعت کی گئی ہے نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اور اس طرح ہماری تعریف اور شکریہ کرنے والے جذبات سے۔ جو بالضرور کسی عقلمند ہستی اور فاطر کل یعنے خداوند تعالےٰ کے سامنے ہی آشکارا ہونے چاہئیں یوں اپیل کی ہے:۔

الحمد للہ رب العلمین۔ تمام محامد اور صفات صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جو کہ تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا۔ پالنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔ جن کی موجودگی ہماری پیدائش قیام اور پرورش کے لئے نہایت ضروری ہے ◆

نمبر ۲

نظام قدرت میں ایک نہایت زبردست اور مؤثر نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ جو کہ ایک سطحی نظر سے دیکھنے والے شخص سے بھی پنہاں نہیں رہ سکتا۔ نظام عالم میں ہر ایک چیز بتدریج ترقی کر رہی ہے لیکن اس کی ترقی کا راستہ متعین اور محدود ہے۔ اسے چند ایک قوانین کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ اور اس طرح وہ آزادانہ ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ ہاں وہ اپنے اردگرد کی دنیا کے لیئے اسی صورت میں فائدہ مند ہو سکتی ہے جب وہ اپنے مقررہ دستور العمل پر گامزن ہو۔ ورنہ بصورت دیگر اس کا قوانین سے منہ موڑنا اسکی تباہی اور نقصان کے ہم معنی ہے۔ سورج ہر روز طلوع ہوتا اور پھر غروب ہو جاتا ہے لیکن اس روزانہ طرز عمل میں وہ اپنے مقررہ راستہ سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ تمام نظام شمسی کرۂ ہوائی زمین اور جو کچھ اس پر ہے۔ یہ تمام کے تمام ترقی کے راستہ پر چکر لگاتے چلے جا رہے ہیں مگر ان کا یہ تمام فعل صرف مقررہ قواعد وضوابط کے ماتحت ہی ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ دن اور رات کبھی ایکدوسرے کی اقلیم پر قبضہ نہیں جما سکتے۔ یا یوں کہو کہ ایکدوسرے کی حدود کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ چاند اور ستارے کیسی اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ اپنے اپنے راستوں پر چلے جا رہے ہیں۔ قرآن کریم نے قانون قدرت کے ان عجیب وغریب دنیوی مناظر اور تمام نظام عالم کی اس قابل غور اطاعت وفرمانبرداری کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں کیا ہی عجیب کھینچا ہے :-

وآیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النہار فاذا ھم مظلمون۔ والشمس تجری لمستقر لھا۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم۔ والقمر قدرنہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النہار وکل فی فلک یسبحون ۔ اور ان کے لیئے رات میں نشان ہے کہ ہم اس سے دن کو کھینچ کر نکالتے ہیں۔ اور دیکھو وہ اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں اور سورج اپنے قرارگاہ پر چل رہا ہے۔ یہ اس عزیز وعلیم یعنے غالب جاننے والے خدا کا اندازہ ہے (جو کبھی غلط راہ نہیں ہو سکتا) اور ہم نے چاند کے لیئے اس کی منزلیں

مقرر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی مانند پھر واپس لوٹتا ہے۔ سورج اس قابل نہیں۔ کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن کے آگے نکل سکتی ہے۔ اور یہ تمام اپنے اپنے دوائر میں گھوم رہے ہیں۔ قرآن کریم (۳۶-۳۷-۴۱) کیا ہی عجیب صداقت ہے۔ کہ ہر ایک چیز اپنے اپنے حلقوں میں راستہ طے کر رہی ہے۔ قدرت کا ہر ایک ذرہ اپنے مقررہ راستہ پر ہی چل رہا ہے۔ وہ اپنے مقررہ اور لاتبدیل قوانین سے ذرہ بھر انحراف یا مداخلت بیجا کا مرتکب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے برخلاف ان کی کامل متابعت میں سر تسلیم خم کیئے ہوئے چلا جا رہا ہے۔ یہی ایک امر ہے۔ جو متضاد عناصر کو بے ترتیبی اور ہنگامہ گڑبڑ سے نکال کر ایک باترتیب دنیا کی شکل میں خوش اسلوب بنا دیتا ہے۔ اور یہی ایک نظام ہے جس سے تمام علمی انکشافات کا راستہ کھلتا ہے۔ سائنس کچھ پیدا نہیں کرتی۔ اور نہ ہی کچھ بناتی ہے۔ بلکہ اس کے قلمی ممالک کی وسعت صرف ان قوانین کے انکشاف اور واقفیت تک محدود ہے۔ جو قدرت کے اعضاء و جوارح ہیں۔ یا نیچرل طاقتوں کو حرکت میں لا رہے ہیں لیکن اگر قوانین قدرت کی لاتبدیل خاصیت یقینی نہ ہوتی۔ اور نہ ہی ان قوانین کی پیروی نظام عالم کے لیئے ضروری ہوتی۔ تو یہ انکشافات ناممکن اور نیز بالکل بے سود ٹھیرتے +

کیا یہ کوئی اتفاقی امر ہے؟ کیا نظام عالم ایک مقررہ قانون پر نہیں چل رہا؟ کیا مادہ پر کوئی قانون حکمران نہیں؟ کیا اس کی حالت ارتقائی میں کوئی بے ترتیبی یا بے ضابطگی کبھی واقع ہوتی ہے؟ ایک نادان انسان اس کارخانہ قدرت کو محض اتفاق پر محمول کریگا اور قانون اور ضوابط کو بھی اسی کا ایک نتیجہ قرار دیگا۔ مگر سائنس نے ہمیشہ ضابطہ ترتیب اور باقاعدگی کو ہی تمام دنیا و مافیہا کے منتظم اصول سمجھا ہے۔ اور اس کے انکشافات ہمیشہ وہ قواعد اور ضوابط ہی ہوا کرتے ہیں۔ جو مادہ پر حکومت کرنے کیلئے وضع کیئے گئے ہیں۔ یہ ایک نظام اور ترتیب کو ظاہر کرتا ہے۔ قانون مادہ پر سبقت رکھتا ہے۔ اور اسلیئے اس میں کوئی بناوٹ یا اتفاق کی بات نہیں +

دین فطرت

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا

جو کچھ ہم یہاں بیان کر چکے۔ اگر وہ ہمارے مخاطب عیسائی کی ضمیر اور عقل سے
داد انصاف طلب کرنیوالا ہو۔ تو اُسے فوراً شرائع اور رضا و تسلیم کے مذہب پر جو کہ
اپنی اُن خصوصیات کے باعث دینِ فطرت ہے۔ اور سائنس اس کی صداقت کو تسلیم
کر لی ہے ایمان لے آنا چاہیئے۔ کیا ہم ایسے مذہب کو ترک کر سکتے ہیں؟ عیسائیت میں
کلیسا کا مذہبی اصول ہمیں ان قواعد و شرائع کی پابندی سے چھڑا دیتا ہے۔ پولوس کی
تعلیم کے مطابق شریعت کو (نعوذ باللہ) لعنت خیال کیا جاتا ہے۔ اور انسان کو اس بات
کے ناقابل یقین کیا جاتا ہے کہ وہ شریعت کی لعنت کا بوجھ اُٹھا سکے۔ اور اس ناقابلیت کے
باعث کفارہ کو نجات کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔ مگر کیا بہرحال انسان خلاصۂ موجودات اور
اشرف المخلوقات اور نظامِ عالم کا بہترین ماحصل نہیں؟ کائناتِ عالم میں ادنےٰ سے اعلےٰ
ساخت کی ہر ایک چیز اس کے اندر موجود ہے۔ ان کی خوشگوار ترکیب اس میں نرم دلی
عقل و خرد۔ پاک جذبات اور ضمیر کو پیدا کرتی ہے۔ اور اُن سب کو بحیثیت مجموعی رُوح
کے نام سے پکارا جاتا ہے عناصر کی شکل و صورت تو بظاہر تبدیل ہو ہی جاتی ہے لیکن
انکے خواص میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ قانون کی کُلی طور پر پیروی کرنا اور اسلئے عجیب و غریب
اور حسب خواہش نتائج پیدا کرنا عناصر کی خاصیت ہے۔ کیا وہ انسانی شکل میں آ کے
اپنی خاص حالت کو چھوڑ دیں گے؟ پولوسی مذہب اور اس کی کلیسیائی طریقت جتنا چاہیے
ایک انسان کی الوہیت اور کفارہ کے عقیدہ کو سچا ثابت کرنے کے لئے زور لگائے لیکن
سائنس کا رویہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اگر قوانین اور شرائع پر چلنے کی قابلیت
فطرتی نہ ہوتی تو کوئی شخص طبعی علوم کا انکشاف نہ کر سکتا۔ اور نہ ہی انکو ترتیب ہی دے
سکتا۔ رشتوں اور تعلقات کے ضوابط۔ دوستی کے قواعد اور اعضاء کے کام کاج کے
قوانین جب باقاعدہ طور پر ترتیب دیئے جائیں۔ تو وہ ایک علم بن جاتے ہیں۔ انسانی

اعضاء کے کاروبار کا ایک سرسری مشاہدہ بھی اسی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔ ہمارے پاس آنکھیں کان اور منہ وغیرہ ہیں۔ ان سب سے ذرا وہ کام تو لو جو اس کام سے جس کیلئے وہ بنائے گئے ہیں متغائر ہو۔ وہ ناقص اور خراب ہو جائیں گے۔ وہ ہر ایک غیر فطری راہ پر چلنے سے قطعاً انکار کر دینگے۔ ہاں اُنہیں مقررہ راستہ پر چلاؤ۔ تو تم اُنہیں پورے فرمانبردار پاؤگے۔ بلکہ ایسا کرنے سے وہ طاقت میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ یہی قانون اور اطاعت کا مذہب تمام انسانی ساخت پر حاوی ہے۔ اگر ہمارے اعضاء اور جوارح کا بہترین اور فائدہ مند استعمال صرف چند ایک قوانین کی اطاعت سے ہی عمل میں آسکتا ہے تو اس استعمال کی درستگی باضابطہ ہدایت کی بہت زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ کیا تمام جرائم ہمارے اعضاء و جوارح اور بے شمار جذبات کے غلط استعمال کی وجہ سے ظہور پذیر نہیں ہوتے؟ اگر کسی شہر کی حکومت ہمارے ہاتھ پاؤں اور منہ کا ہم سے صحیح استعمال کرانے کیلئے قوانین جرائم کو نافذ کرتی ہے۔ تو کیا ہماری آزادی آراء اور اختیارات پر حکومت کرنے کے لئے ہمیں کسی اعلےٰ قانون کی ضرورت نہیں؟ جو کہ ہماری تمام حرکات و سکنات کو صحیح اور درست کردے ہمیں محبت۔ رحم۔ تحمل۔ صبر۔ بے تابی۔ غصہ۔ انتقام۔ بہادری۔ بھوک اور پیاس وغیرہ وغیرہ جیسے کئی ایک اخلاق اور خواہشات کا حامل بنایا گیا ہے۔ ان تمام میں فوائد اور نقصانات سبھی کچھ ہیں۔ غصہ جب صحیح طور پر استعمال میں آئے تو وہ نیکی بن جاتا ہے۔ اور غلط محبت گناہ ہو جاتی ہے۔ ایک قاتل پر رحم کھانا سوسائٹی کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ اور قوت منتقمہ کا صحیح استعمال اسے امن اور سلامتی میں لے آتا ہے۔ کیا ہم کسی ایسے قانون کے محتاج نہیں۔ جو انسانی فطرت کی تمام ان ہدایات۔ خواہشات نفسانی خیالات اور اخلاق کو درست طریق پر قائم کردے۔ موجودہ مجالس کے کاموں میں اس ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ہم طوعاً و کرہاً تمام اخلاق اور خواہشات اور اپنے نفسانی خیالات کو پورا کرنے میں ان کو استعمال میں لاتے ہوئے ان قوانین پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ یہی بات جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے اعضاء و جوارح کی بابت بھی صادق آتی ہے۔ پس انسان فطرتاً عملی طور پر قانون و شرائع کے مذہب پر ایمان رکھتا ہے۔ جو کہ اسلام (یعنی خدا تعالےٰ کی رضا کو تسلیم کرنا۔ اُس کی اپنی مرضی کی متابعت اور اسکی حکومت کی اپنی تمام آراء منفعہ

اور اختیارات سے بڑھ کر کامل متابعت) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے +

یہ کوئی غلامی نہیں۔ جسے نفرت انگیز کہا جاسکے۔ جیسا کہ جہلاء سے خیال کیا کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ ہمارے لیئے قوانین نافذ کرتے ہیں۔ ہم ہر روز ایک اپنے سے زیادہ عقلمند صاحب اختیار کے آگے جھکتے ہیں۔ ایک ہم سے زیادہ دانا شخص آگے نکل جاتا ہے۔ پس اس سرچشمہ عقل اور علم کُل سے زیادہ جو کہ بڑی دانائی اور عقلمندی کے ساتھ تمام کائنات پر ایسی حکومت کرتا ہے۔ جو اسکے لیئے سب سے زیادہ فائدہ رساں ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کون با اختیار دانا اور عقلمند ہو سکتا ہے۔ خود اُس خالق ازلی کے سوائے اور کون ہمیں ان صحیح رستوں کا پتہ بتا سکتا ہے۔ جن پر چلکر اس کا مقصد پورا ہو سکے۔ اسلیئے ہم اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام کے محتاج ہیں۔ قانون اور متابعت کا مذہب زندگی کا بہترین قاعدہ ہے اور یہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو اس وقت الہام کیا گیا تھا۔ جب انہیں کسی خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ اسی مذہب اسلام (کامل متابعت) کا کوہ سینا کی چوٹیوں سے نہایت بلند آہنگی سے اظہار کیا گیا۔ فطرت انسانی بگڑ چکی تھی۔ اور کوہ شعیر پر اسکی کسی قدر اصلاح کی گئی۔ اسی مذہب نے قرآن کی تعلیم کے مطابق بنی نوع انسان کی دوسری اقوام پر بخشش اور مہربانی کی۔ نسل انسانی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت ہر جگہ پھیل گئی تھی اور جب اسکی ایکدوسرے سے جدا ہونیوالی شاخوں کا ایسا ملاپ ہونے والا تھا۔ کہ جس سے تمام دنیا ملکر ایک ہو جائے۔ تو دین فطرت کے آخری مظہر کا کوہ فاران پر ظہور ہُوا۔ اور اس طرح سے خداوند کے وہ الفاظ پورے ہو گئے۔ جو اس نے قدیم ایام میں موسیٰ کی زبان پر یُوں فرمائے تھے :-

"اور اُس نے کہا۔ کہ خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر پہ طلوع ہُوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہُوا"

حضرت مسیح نے مرتے دم تک اسی مذہب کی تعلیم دی۔ اگر صلیب کا واقعہ ایک نئے مذہب کی تعلیم کیلیئے وقوع پذیر ہُوا تھا۔ جو کہ اُن کو بوجہ خدا ہونے معلوم تھا۔ اور ان کے علم سے باہر ہو سکتا تھا۔ تو زیتون کے پہاڑ سے وعظ و نصیحت کرنے اور خطبے پڑھنے کی اُن کو کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کیا اس نے یہ نہ کہا تھا کہ یہ نہ سمجھو۔ کہ میں شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔

منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کیلئے آیا ہوں"۔ یہ وہ مذہب ہے جو انہوں نے اپنے پیرووں کو سکھایا۔ کیا آپ نے پولوس کو اسبات کا اختیار دیدیا تھا۔ کہ وہ شریعت کو منسوخ کردے جیسا کہ اس نے بعد میں کیا لیکن وہ جو کہ آپ کے بعد آیا۔ اُس نے تمام صداقت اور راستبازی کی ہی تعلیم دی۔ کیا یہ کوئی نئی صداقت تھی۔ جس نے شریعت کو منسوخ کردیا تھا۔ اور جو کہ کلیسیا نے دُنیا کے آگے پیش کی؟ متی باب ۵۔ اور ۶ کو ذرا غور سے پڑھو۔ تمہیں آپ کے وعظ کا طرز اس قسم کا ہے۔ جیسا کہ تم سُن چکے ہو۔ ... لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ ..."۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ حضرت مسیح کچھ شریعت سکھا رہے ہیں؟ اگر آپ کو یہ علم تھا۔ کہ آدمی اسکی پیروی کے ناقابل ہے۔ تو گویا وہ اپنے پیرووں سے ہنسی کر رہے تھے اگر شریعت لعنت تھی۔ تو کیا وہ اس لعنت کو اور زیادہ بڑھانے کے لئے آئے تھے؟ نعوذ باللہ من ہذہ الفوات۔ خدا ہمیں ان باتوں سے اپنی پناہ میں رکھے لیکن موجودہ کلیسیا کی تعلیم کا یہ ایک صحیح نتیجہ ہے۔ یہ تمام امور سادہ لوح اشخاص کے لئے بھی بالکل صاف ہیں۔ مگر ہاں کلیسیا کا ایک پادری اپنا علمی جبہ کندھوں پر ڈالکر ان باتوں کو بھلا دے سکتا ہے +

بعد الموت زندگی

اور اس کی حقیقت قرآنی نقطۂ خیال سے

بعد الموت زندگی ایک حقیقت بھی ہے اور ایک راز بھی۔ اور یہ ایک راز ہی رہیگا جس سے پورا پردہ اُسی وقت کھلیگا۔ جب تم خود اس دوسرے عالم میں جائیں گے۔ زبان اُسکو بیان کرنے کے لئے کافی نہیں۔ لفظ صرف ان خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ جن کا تعلق اُن اشیا سے ہو جو ہمارے مشاہدہ یا تجربہ کے اندر ہیں۔ مثلاً اگر ایک ایسی چیز کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہو جس کو انگریزی قوم نے کبھی دیکھا نہیں۔ اور وہ کسی اور سرزمین سے تعلق رکھتی ہے۔ اور جس کے لئے اُن کی زبان میں لفظ بھی نہیں تو ایک انگریز کے ذہن میں وہ بات پورے طور پر سے نہیں آسکیگی۔ ایسی صورت میں دوسری اشیاء سے مقابلہ کر کے جو مشاہدہ کے اندر ہیں

ایک انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار دوسرے پر کر سکتا ہے تشبیہات اور استعارے اس غرض کے لیئے ہماری مدد کو آتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ استعارات اور تشبیہیں پورے پورے خیال کا اظہار نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر تجھ کے زمانہ میں جو لوگ امریکہ آتے تو تمباکو نوشی کو بیان کرنے کے لئے اُن کے پاس قریبی قریبی محاورہ "آگ کھانے والے" تھا۔ گو یہ فقرہ بڑا پُر معنی ہے مگر اصل حقیقت کا اس سے پتہ نہیں لگتا۔ یہی حالت بعد الموت زندگی اور اس کے آرام اور لذتوں کی ہے جن کا نام مذہبی زبان میں دوزخ اور بہشت ہے۔ بہشت اور اسکی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہوئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر بقلب بشر۔ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سُنی ہیں۔ اور نہ کسی بشر کے قلب میں وہ آئی ہیں۔ قرآن کریم نے خود بھی اسی طرح پر فرمایا ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (السجدہ - ۱۷) کوئی جان نہیں جانتی کہ اسکے لیئے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے۔ اور یہ امر واقع ہے۔ کہ اس دُنیا کی چیزیں بھی جو ہمارے علم میں نہ ہوں۔ ان کا ٹھیک پتہ محض الفاظ سے نہیں لگ سکتا۔ اس دنیا میں بعض انسان ایسے ہوئے جنہوں نے وحی الٰہی کے ذریعہ سے دوسرے عالم کے احوال کو معلوم کیا ہے۔ مگر ان کے بیان کے لیئے خود انسانی زبان ناکافی ہے۔ کیونکہ زبان صحیح طور پر انہی امور کو بیان کر سکتی ہے۔ جو ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں ہوں۔ اس مشکل کی وجہ سے وہ بھی اصل حقیقت کو نہیں بتا سکتے۔ اور زیادہ تر تشبیہات اور استعاروں سے اسکو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے ؎

کتاب مکاشفات یوحنا نے جو نقشہ دوزخ اور بہشت کا کھینچا ہے۔ اس میں دوزخ کو آگ اور گندھک کا ایک جلتا ہوا تنور بتایا گیا ہے۔ جس میں دانتوں کا پیسنا ہوگا۔ اور بہشت کی تصویر اُن الفاظ میں کھینچی ہے کہ سونے کے تاج پہنے ہوئے بادلوں میں بربط بجا رہے ہیں۔ مگر قرآن کریم نے جو انسانوں کی ہدایت کیلئے خدا کی آخری کتاب ہے نہایت ہی پُر معنی الفاظ میں آیندہ زندگی کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن جیسا کہ ابھی کہا جا چکا ہے۔ ان الفاظ کو ان کے ظاہر پر عمل کرنا غلطی ہے بالخصوص جب آیات

کو مد نظر رکھا جائے۔ کہ قرآن کریم نے خود اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت اور دوزخ کے متعلق کہا کہا ہے۔ خدا اور اس کا رسول تو ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ یہ بہشت کے نعماء جو زندگی بعد الموت میں ملنے والی ہیں وہ ایسی ہیں کہ انسان کے حواس ان سے آشنا نہیں ہوئے۔ پس ہم شہد اور دودھ اور دوسری چیزوں کو جن کا ذکر نعمائے بہشت میں ہے زیادہ پر کیونکر محمول کر سکتے ہیں؟ اسی رسالہ میں ہم بارہا اسلام کے نکتہ چینوں کو یہ توجہ دلا چکے ہیں۔ کہ قرآن کریم نے جو بہشت اور دوزخ کی کیفیت بیان کی ہے اسکی اصل غرض کیا ہے۔ اور اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ مگر ہمیں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ تمہارا اسلام اصلی اسلام نہیں۔ اسلیئے قبل اس کے کہ ہم اس مضمون پر کچھ اور لکھیں دو عظیم الشان اسلامی بزرگوں کے خیالات کو جن کا اظہار اس مضمون پر انہوں نے کیا ہے ہم یہاں درج کرتے ہیں ایک آٹھ سو سال ہوئے نیشاپور میں رہتے تھے دوسرے ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے ہیں۔ الغزالی کیمیائے سعادت میں آلام نار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں +

" جہاں تک اس کی آیندہ ہستی کا سوال ہے ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ روح انسانی بالذات جسم کی ماتحتی سے آزاد ہے پس وہ تمام اعتراض جو اس بنا پر اس کے بعد موت بقا پر کیئے جاتے ہیں۔ کہ اسکے لیئے ضروری ہے کہ اپنے پہلے جسم کو دوبارہ حاصل کرلے خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ بعض متکلمین کا خیال ہے کہ روح انسانی موت کے بعد فنا کر دیجائیگی۔ اور پھر دوبارہ زندہ کی جائیگی مگر یہ عقل کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی عقل ہمیں بتاتی ہے کہ موت ایک انسان کی شخصیت ذاتی کو تباہ نہیں کر سکتی۔ اور قرآن کریم فرماتا ہے۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ (آل عمران ۱۶۸) اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیئے گئے ہیں مرے خیال نہ کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں خوش اس پر جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا شریعت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ مرے خواہ وہ اچھے ہوں یا برے فنا کر دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مقتول کفار کی روحوں کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ کہ کیا انہوں نے حتے الوسع اس سزا کے وعدہ کو درست پایا یا نہیں جو انہیں دیا گیا تھا۔ جب

آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ وہ تو مُردہ ہیں اُن سے خطاب کرنے کا کیا فائدہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ تُم سے بہتر میری بات کو سُنتے ہیں* +

بعض صوفیوں نے ایک موت کی سی بیخودی کی حالت میں بہشت اور دوزخ کی نادید ہونیا کو دیکھا ہے۔ دوبارہ احساس پانے پر اُن کے چہروں پر خوشی یا خوف کے نشانوں سے اُن کی وہ حالت ظاہر ہوئی ہے جو ان پر کھولی گئی لیکن ہر غور کرنیوالے آدمی کیلئے ضرورت نہیں کہ خوابوں سے ہی اس پر یہ ثابت کیا جائے۔ کہ جب موت اس کے حواس سے اسکو محروم کر دے۔ اور سوائے خالی شخصیت کے اس کے لیئے اور کچھ باقی نہ چھوڑے۔ تو اگر زمین پر اس کا تعلق ان اشیا سے زیادہ رہا ہے۔ جن کا تعلق حواس ظاہری سے ہے۔ جیسے عورتیں بچے دولت زمین غُلام مرد یا عورتیں تو ضرور ہے کہ ان اشیاء کے علیحدہ ہونے پر اسکو الم یعنی تکلیف پہنچے۔ اور اگر برخلاف اسکے اُس نے جہانتک ممکن ہے تمام زمینی اغراض پر پیٹھ پھیری ہے۔ اور اپنی ساری توجہ کو ذات باری پر لگایا ہے تو وہ موت کو خوش آمدید کہیگا کہ دُنیوی مخمصوں سے اسکے ذریعہ اسے نجات ملی۔ اور اسکے ساتھ تعلق ہوا جس سے اُسے محبت تھی اس پر پیغمبر صلعم کی وہ حدیث صادق آتی ہے کہ موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے اور دُنیا کافر کے لیئے ایک باغ ہے اور مومن کیلئے ایک قید خانہ +

اس کے برخلاف تمام وہ آلام جو رُوحیں موت کے بعد اُٹھاتی ہیں اُن کا منبع اس دُنیا کی حد سے زیادہ محبت ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک کافر کو موت کے بعد ننانوے سانپ تکلیف دیں گے۔ جن میں سے ہر ایک کے نو سر ہونگے" بعض

*: طبری ایک بڑے سلامی مورخ نے ان الفاظ کو جنمیں یہ لفظ بدلے گئے ہیں جن کا حوالہ الغزالی نے دیا ہے اس طرح پر بیان کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسی گڑھے کے پاس کھڑے ہو گئے جو مقتولوں کی لاشوں کو دفن کرنے کیلیئے کھودا گیا تھا۔ اور جوں جوں لاشیں اس میں ڈالی جاتی تھیں اُن کے نام پکارے جاتے تھے۔ اور نبی کریم صلعم نے یہ الفاظ فرمائے "اے میری قوم تم نے مجھے کذب سے متہم کیا جب دوسروں نے مجھے مان لیا تم نے مجھے گھر سے نکالا جب دوسروں نے مجھے جگہ دی تمہاری قسمت جیسی ہوئی؟ آہ جو کچھ خدا نے وعدہ کیا تھا وہ سچ ثابت ہوا" ظاہر ہے کہ یہ الفاظ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بولے رحم کے جوش کے اظہار کے لیئے تھے۔ مگر تنگدل نکتہ چینیوں نے انہیں بھی نبی کریم پر ایک اعتراض بنا لیا ہے +

سادہ لوح لوگوں نے کفار کی قبروں کا معائنہ کیا ہے۔ اور ان سانپوں کو نہ دیکھنے پر تعجب کیا ہے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ان سانپوں کی جائے قیام ان کفار کی رُوحیں ہیں اور کہ وہ اس میں اس وقت بھی موجود تھے جب وہ ابھی زندہ تھا۔ کیونکہ وہ اسکی اپنی ہی بد صفات تھیں جنھوں نے ایک صُورت اختیار کر لی مثلاً حسد۔ نفرت۔ نفاق۔ کبر۔ فریب وغیرہ جن میں سے ہر ایک بلا توسط یا توسط سے دُنیا کی محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ دُنیا ہے ان لوگوں کا جو قرآن کریم کے الفاظ میں اس دُنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر اسی پر اپنا دل لگاتے ہیں۔ اگر وہ سانپ خارجی اشیاء ہوتیں تو وہ انکی تکلیف دہی سے بچ بھی سکتے تھے خواہ ایک لمحہ کیلئے ہی سہی لیکن چونکہ یہ تو خود ان کی صفات اندرُونی ہیں۔ اسلئے وہ اُن سے بچ کس طرح سکتے ہیں +

مثلاً ایک شخص کی مثال لو جس نے ایک لونڈی کو فروخت کر دیا ہے بغیر اسبات کو جانے کے کہ اسے اس سے کس قدر محبت ہے یہاں تک کہ وہ اس کی پہنچ سے بالکل باہر ہو جاتی ہے۔ تب اُس کی محبت جو اب تک خوابیدگی کی حالت میں تھی اس قدر شدت کے ساتھ اس کے اندر ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ایک الم کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اور اُس کو ایک سانپ کی طرح ڈستی ہے۔ یہانتک کہ وہ اس سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو آگ یا پانی میں ڈالنے کیلئے تیار ہو جائیگا۔ اسی دُنیا کی محبت کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس کا ان لوگوں کو جن میں یہ پائی جاتی ہے شک بھی نہیں ہوتا یہاں تک کہ یہ دُنیا ان سے چھین لیجاتی ہے۔ اور تب عبث خواہش کا دُکھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اسے خارجی سانپوں اور بچھوؤں کے ساتھ تبدیل کرنے پر خوش ہوتے ہیں +

یوں ہر ایک گنہگار بعد الموت زندگی میں اپنے عذاب کے اسباب اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔ اور قرآن کریم یہ فرماتا ہے۔ لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے۔ پھر تم اسکو عین الیقین سے دیکھو گے۔ اور ان جھنم لمحیطۃ بالکافرین ضرور جہنم کافروں کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔ کا احاطہ کر لیگا۔ کیونکہ فی الواقع وہ اب بھی احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ اور ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ ایک قسم کا رُوحانی دوزخ ان دنیوی اشیاء سے مجبوری کی علیحدگی ہے۔ جن کی محبت

دل میں بہت زیادہ چھپی ہیں۔ بہت سے لوگ اس قسم کے دوزخ کو اپنے سینہ میں لئے پھرتے ہیں گو وہ اسے جانتے نہیں۔ بعد موت انکی حالت ایک بادشاہ کی ہوگی جو عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کے بعد تاج وتخت سے علیحدہ کیا جائے۔ اور اس پر ہنسی کی جائے۔ دوسری قسم کا روحانی دوزخ وہ شرمساری کی حالت ہے۔ جب ایک انسان ان افعال بد کو جو وہ کرتا ہے اپنی اصلی حالت میں دیکھتا ہے۔ مثلاً جس شخص نے چغلخوری کی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک مردم خور کی حیثیت میں دیکھیگا جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہے۔ اور وہ جس نے حسد کیا وہ اپنے آپ کو ایک پتھر پھینکنے والے کی حیثیت میں دیکھیگا جو ایک دیوانہ پر پتھر پھینک رہا ہے جو وہاں سے واپس اچھلکر اس کے اپنے بچوں کے آنکھوں کو نکال رہے ہیں

"اس قسم کا دوزخ یعنی شرمساری کے دوزخ کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے فرض کرو کہ ایک بادشاہ اپنے بیٹے کی شادی رچا رہا ہے۔ شام کے وقت نوجوان کچھ رفیقوں کے ساتھ جاتا ہے۔ اور جلد ہی اپنے خیال میں بدمست ہو کر محل کی طرف واپس آتا ہے۔ وہ ایک کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں ایک روشنی جل رہی ہے۔ اور اپنے خیال میں اپنی دلہن کے پاس لیٹ جاتا ہے۔ صبح کے وقت جب اسے ہوش آتی ہے۔ تو وہ کس قدر متحیر رہ جاتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو مجوسیوں کے ایک گورستان میں پاتا ہے۔ جسے وہ پلنگ سمجھا تھا وہ جنازہ اٹھانے کی کھٹولی ہے۔ اور جس کو اپنی دلہن خیال کئے ہوئے تھا وہ ایک بڈھی عورت ہے جو لڑ رہی ہے۔ جب وہ اس گورستان سے باہر نکلتا ہے اور اسکے کپڑے سب آلودہ ہو رہے ہیں تو وہ کس قدر شرمندہ ہوگا جب سامنے سے اپنے باپ کو فوج کے ساتھ آتا دیکھے گا۔ یہ ایک کمزور سی تصویر اس شرم کی ہے جو اس دوسرے عالم میں وہ لوگ محسوس کریں گے جنھوں نے اس دنیا میں اپنے آپ کو ان چیزوں میں منہمک کر دیا ہے۔ جن کو وہ خوشیاں سمجھے ہوئے ہیں +

تیسرا روحانی دوزخ زندگی کے اصل مقصد کو نہ پانے کی مایوسی اور ناکامی کا ہے انسان کی پیدائش کا منشاء تو یہ تھا۔ کہ اس کا اندرونی علم الٰہی کے نور سے منور ہو۔ لیکن اگر وہ دوسرے عالم میں ایسی حالت میں پہنچے کہ اسکی روح نفسانی خواہشات کے زنگ

سے زنگ آلود ہو۔ تو جس غرض کیلئے وہ بنایا گیا تھا اُسکے حاصل کرنے میں وہ بکلی ناکام رہا۔ اسکی مایوسی کی مثال اس طرح دیجا سکتی ہے۔ فرض کرو کہ ایک آدمی اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک تاریک جنگل میں سے گذر رہا ہے۔ کہیں کہیں مختلف رنگوں کے پتھر چمکتے ہوئے زمین پر پڑے ہیں۔ اُسکے ساتھی اُن کو اکٹھا کرتے ہیں اور لیجاتے ہیں۔ اور اسے بھی ایسا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ اُن پتھروں کے اس جگہ جہاں ہم جا رہے ہیں بڑی قیمت ہوگی۔ مگر وہ ان پر ہنستا ہے اور ان کو بیوقوف بناتا ہے کہ فائدہ کی اُمید سے وہ خواہ مخواہ بوجھ اُٹھا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ آزاد اور بغیر بوجھ کے چلتا ہے۔ جلدی ہی وہ پُورے دن کی روشنی میں پہنچ جاتے ہیں اور اُن کو پتہ لگتا ہے کہ یہ رنگدار پتھر لعل زمرد اور قیمتی جواہرات ہیں پس اس شخص کی مایوسی اور غصہ اس بات پر کہ اُس نے اس وقت جب ایسے قیمتی جواہرات اس کو آسانی سے مل سکتے تھے نہ لئے کس قدر ہوگا۔ اس کا سمجھنا آسان ہے اور بیان کرنا مشکل اِسی طرح بعد الموت اُن لوگوں کی حسرت کا حال ہوگا جو اس عالم میں سے گذرتے ہوئے اس قدر تکلیف نہیں اُٹھاتے کہ نیکی کے جواہر اور مذہب کے خزانوں کو اکٹھا کریں"+

یہ آٹھ سو سال کی تصنیف ہے لیکن قرآن کی ان آیات کی جن میں دوزخ کے عذاب کا ذکر ہے ایسی ہی تفسیر ہم کو اس زمانہ کے ایک عظیم الشان بزرگ اور مقدس انسان کی تصنیف میں ملتی ہے یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے جو ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے آپ لکھتے ہیں:-

"دوسرا دقیقہ معرفت جس کو عالمِ معاد کے متعلق قرآن شریف نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ عالمِ معاد میں وہ تمام امور جو دُنیا میں رُوحانی تھے جسمانی طور پر متمثل ہونگے خواہ عالمِ معاد میں برزخ کا درجہ ہو یا عالمِ البعث کا درجہ اس بارہ میں جو کچھ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ انمیں سے ایک یہ آیت ہے۔ من کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا یعنے جو شخص اِس جہان میں اندھا ہوگا دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اِس جہان کی رُوحانی نابینائی اُس جہان میں جسمانی طور پر مشہود اور محسوس ہوگی ایسا ہی دوسری آیت میں فرماتا ہے خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ

ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ یعنے اُس جہنمی کو پکڑو اسکی گردن میں طوق ڈالو پھر دوزخ میں اُس کو جلاؤ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمائش میں ستّر گز ہے اسکو داخل کرو جاننا چاہیئے کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا ہے کہ دُنیا کا رُوحانی عذاب عالمِ معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہو گا چنانچہ طوقِ گردن دُنیا کی خواہشوں کا جس نے انسان کے سر کو زمین کی طرف جُھکا رکھا تھا۔ وہ عالمِ ثانی میں ظاہری صُورت پر نظر آجائیگا۔ اور ایسا ہی دُنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پیروں میں پڑی ہُوئی دکھائی دیگی اور دُنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر ظاہر بھڑکی ہُوئی نظر آئیگی۔ فاسق انسان دُنیا کی زندگی میں ہوا و ہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ناکامیوں میں اس جہنّم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے پس جبکہ اپنی **فانی شہوات** سے دُور ڈالا جائیگا۔ اور ہمیشہ کی نا اُمیدی طاری ہوگی تو خدا تعالےٰ ان حسرتوں کو جسمانی آگ کے طور پر اس پر ظاہر کر دیگا جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ وحِیل بینھم وبین مایشتھون یعنے اُن میں اور ان کی خواہشوں کی چیزوں میں جُدائی ڈالی جائیگی۔ اور یہی عذاب کی جڑ ہو گی۔ اور پھر یہ جو فرمایا کہ ستّر گز کی زنجیر میں اس کو داخل کرو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک **فاسق** بسا اوقات ستّر برس کی عمر پا لیتا ہے۔ بلکہ کئی دفعہ اس دُنیا میں اس کو ایسے ستّر برس بھی ملتے ہیں کہ خورد سالی کی عمر اور پیر فرتوت ہونے کی عمر الگ کر کے پھر اس قدر صاف اور خالص عمر کا اسکو ملتا ہے جو عقلمندی اور محنت اور کام کے لائق ہوتا ہے۔ لیکن وہ بدبخت اپنی عمرِ زندگی کے ستّر برس دُنیا کی گرفتاریوں میں گذارتا ہے اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا۔ سو خدا تعالےٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی ستّر برس جو اس نے گرفتاری دُنیا میں گذارے تھے **عالمِ معاد** میں ایک زنجیر کی طرح متمثّل ہو جائیں گے جو ستّر گز کی ہوگی ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے۔ اس جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے بُرے کام اُس کے آگے رکھ دیتا ہے +

لوگوں کے بُغضوں سے اور کینوں سے کیا ہوتا ہے — جس کا کوئی بھی نہیں اُس کا خُدا ہوتا ہے

بے خدا کو کوئی بھی ساتھی نہیں تکلیف کے وقت — اپنا سایہ بھی اندھیرے میں جُدا ہوتا ہے

زرد گائے کی تمثیل

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

اب تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ کس بات کی تمثیل تھی۔ کہ اسرائیل کو ایک حکم دیا گیا۔ کہ جو لوگ ان میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہوں وہ ایک گائے کی قربانی دیں۔ اور اسکو ذبح کریں اور جلائیں اور پھر تب لڑکے اسکی خاکستر کو لیں اور اسکو برتنوں میں ڈالیں۔ اور ایک چھڑی کے گرد قرمزی اون زوفہ کے ساتھ باندھیں۔ اور اس طرح پر لڑکے سب لوگوں پر ایک ایک کرکے چھڑکیں تاکہ وہ اپنے گناہوں سے صاف ہو جائیں۔ غور کرو کس طرح سادگی سے وہ تمہارے ساتھ کلام کرتا ہے: بچھڑا یسوع ہے گنہگار جو اسے قربان کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اسکو ذبح کرنے کو لے گئے۔ مگر اب اسکے بعد لوگ مجرم نہیں۔ اس کے بعد وہ گنہگار نہیں سمجھے جاتے۔ اور لڑکے جو کہ چھڑکتے ہیں وہ ہیں جنہوں نے ہمارے لیئے گناہوں کی معافی اور دل کی پاکیزگی کی منادی کی ہے۔ ان کو اس نے یہ اختیار دیا کہ وہ انجیل کا وعظ کریں۔ ان کی تعداد بارہ ہوئی بنی اسرائیل کی بارہ قوموں کے مطابق۔ مگر جو لڑکے چھڑکتے ہیں وہ تین کیوں ہیں؟ ابراہیم اور یعقوب اور اسحٰق کی مناسبت کے لحاظ سے کیونکہ یہ خدا کے نزدیک بڑے تھے۔ اور لکڑی پر اون کیوں ہوئی؟ کیونکہ لکڑی سے یسوع اپنی سلطنت کو لئے ہوئے ہے تاکہ صلیب کے ذریعہ سے وہ لوگ جو اس پر ایمان لائیں ہمیشہ کیلئے زندہ رہیں۔ مگر زوفہ اون کے ساتھ کیوں لگایا گیا؟ کیونکہ اسکی سلطنت میں وہ دن بُرے اور ناپاک ہونگے جن میں ہم بچائے جائیں گے۔ کیونکہ جو شخص جسم میں مصیبت اٹھاتا ہے۔ وہ زوفہ کے صاف کرنیوالے اثر کے ذریعہ سے اچھا کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح پر وہ چیزیں جو اس طرح قائم ہیں ہمارے لیئے صاف ہیں۔ مگر ان کے لیئے تاریک کیونکہ انھوں نے خداوند کی آواز کو نہ سنا۔

یہ برنباس کے خط کا آٹھواں باب ہے۔ بعض مقامات پر عبارت محرف ہے دوسرے مقامات پر کوڈکس میں ٹیکس کے قرات الگ ہے۔ مگر اختلاف بہت کم وزن والے ہیں۔ یہ خط عیسائیت کے ابتدائی ایام کا دلچسپ بقیہ ہے۔ اور بہت سے پرانے نسخوں کی طرح

بہت سے انقلابات میں سے ہو گذرا ہے۔ ایک وقت تک یہ گرجا میں باقاعدہ پڑھا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ اپنے بلند مقام سے جو ایک تعلیم کی کتاب اور قریباً منجانب اللہ ہونے کی حیثیت سے اسے حاصل تھا گرنا شروع ہوا یہاں تک کہ آج اس کا علم بھی بہت تھوڑے لوگوں کو ہے۔ ایک اوسط درجہ کے عیسائی کو یہ خبر بھی نہیں کہ اس قسم کا کوئی خط ہے یا کبھی تھا تنقید کی چکی آہستہ پیستی ہے۔ مگر یہ پیستی ہے۔ ترقی کا قدم ہمیشہ کے لئے اور مسلسل اٹھتا ہے +

پرانا عقیدہ کہ یہ خط حواری برناس کے جو پولوس کا رفیق تھا اصلی تحریر ہے اِس کا ذکر پہلے پہل کلیمنٹ آف الگزنڈریہ کرتا ہے۔ اور جن اس کو مقدس تحریر کے طور پر نقل کرتا ہے جیروم ذکر کرتا ہے کہ غیر معتبر کتابوں میں پڑھا جاتا تھا۔ اور اس کا نام کیتھولک خط رکھتا ہے۔ یوسی بی ایس اس کو پاک تحریروں سے الگ کرتا اور جعلی تحریروں میں شامل کرتا ہے +

جو لوگ پرانے خیال کے پیرو ہیں وہ اسکی تاریخ تصنیف ۷۰ سے ۱۳۰ء عیسوی تک قرار دیتے ہیں کیسی زمنہ مصنف کی یہ رائے نہیں۔ اندرونی شہادت ایسی ابتدائی تاریخ کے بالکل خلاف ہے مثلاً سولھویں باب میں "روحانی ہیکل" پر بحث ہے۔ اور ضمناً یروشلم کی ارضی ہیکل کی تباہی کا ذکر آ گیا ہے۔ اور اسکی مجوزہ تعمیر ثانی کی طرف جو سنہ ۱۳۰ء عیسوی کے قریب ہیڈرین کے زمانہ کا واقعہ ہے صاف اشارہ کرتا ہے۔ اسلئے یہ خط اس وقت کے قریب لکھا گیا ہوگا۔ اور کسی صورت میں سنہ ۱۲۰ء سے پہلے کا نہیں ہے +

جو باب اوپر نقل کیا گیا ہے اسمیں زرد گائے کو یسوع کے لئے تمثیل یا یسوع کو زرد گائے کا نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں ایک دلچسپ مقابلہ یسوع کی فرضی قربانی اور پرانے یہودیوں یا بُت پرستوں کی قربانیوں میں کیا گیا ہے جس کا نمونہ اس زمانہ کے اور اس سے پہلے بُت پرست مذاہب میں پایا جاتا ہے +

۱۔ "اور خداوند نے موسیٰ سے اور ہارون سے کلام کیا اور کہا۔

۲۔ "یہ شریعت کا حکم ہے جو خداوند نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اسرائیل کے فرزندوں کو کہو کہ وہ تیرے پاس ایک زرد گائے بغیر داغ کے لائیں جس میں کوئی داغ نہو اور جس پر کبھی جوا نہیں رکھا گیا۔

۳۔ اور تم اس کو الیعذر کاہن کو دو گے۔ تا کہ وہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لائے اور ایک شخص اُسے

اُس کے سامنے ذبح کرے گا +

۴۔" اور الیعزر کاہن اپنی انگلی کے ساتھ اس کے خُون کو لیگا۔ اور اس کے خون کو جماعت کے عبادتگاہ کے ٹھیک سامنے سات دفعہ چھڑکیگا +

۵۔" اور ایک شخص گائے کو اسکے سامنے جلائیگا۔ اس کا چمڑا اور اس کا گوشت اور اُس کا خُون مع اس کے گوبر کے وہ جلا دیگا +

۶۔" اور کاہن عُود کی لکڑی اور زوفا اور بانات لیگا۔ اور گائے کے جلنے کے درمیان اُس کو پھینک دیگا +

۷۔" تب کاہن اپنے کپڑے دھوئیگا۔ اور وہ اپنا جسم پانی میں دھوئیگا۔ اور اسکے بعد وہ خیمہ گاہ میں آئیگا۔ اور کاہن شام تک ناپاک ہوگا +

۸۔" اور وہ جس نے اس کو جلایا ہے پانی میں اپنے کپڑے دھوئیگا اور اپنا جسم پانی میں دھوئیگا اور شام تک ناپاک ہوگا +

۹۔" اور ایک شخص جو کہ پاک ہے گائے کی خاکستر کو اکٹھا کریگا اور اُس کو خیمہ گاہ کے باہر ایک صاف جگہ میں رکھیگا۔ اور بنی اسرائیل کے فرزندوں کی جماعت کے لئے علیحدگی کے پانی کے طور رکھا جائیگا یہ گناہ سے پاک کرنے کے لیئے ہے +

۱۰۔" اور وہ جو کہ گائے کی خاکستر کو اکٹھا کرتا ہے اپنے کپڑوں کو دھوئیگا۔ اور شام تک وہ ناپاک ہوگا۔ اور یہ اسرائیل کے فرزندوں کے لیئے اور اجنبی کے لیئے جو ان کے درمیان ٹھیرتا ہے۔ ہمیشہ کیلئے قانون ہوگا" +

زرد گائے کے متعلق یہ رسم خطائی قربانی کے بچھڑے سے بالکل مشابہ ہے جس کا ذکر احبار کے سولھویں باب میں ہے۔ یہ دونوں غالباً کسی زیادہ قدیم قربانی کی رسم کا بقیہ ہیں جہاں ایک انسان کی قربانی قوم کے گناہوں کیلئے ایک امن کے نذرانہ کے طور پر دیجاتی تھی۔ اور قربانی کی لاش یا بقیہ اغراض سحر کے لیئے استعمال کیا جاتا تھا۔ خطا کے بچھڑے کی قربانی کی رسم سالانہ تھی۔ زرد گائے کی معلوم ہوتا ہے کہ شاذ تھی کم از کم اگر واقعات قابل اعتبار ہیں تو تاریخی زمانہ میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے +

یہ رسم زیتون کی پہاڑی پر ہوتی تھی۔ اور اسمیں بڑے بڑے کام کرنیوالے سردار کاہن اور اس کا سب سے بڑا بیٹا اور نائب سردار کاہن تھے۔ اور تینوں پاک تیل سے مسح کیئے جاتے اور صلیب کا نشان ان کے ماتھے پر ہوتا۔ ایک بیان میں یہ ذکر ہے +

اور رسم کی ادائیگی سے پہلے ایک حاملہ عورت ہیکل کے کمروں میں سے ایک میں لائی جاتی۔ جو اس غرض کیلیئے الگ کیا جاتا۔ اور اسے وہاں رکھا جاتا جہانتک کہ بچہ پیدا ہو جاتا جو بچہ اس طرح پیدا ہو وہ پاک حدود کے اندر لایا جاتا۔ اور اسکی حفاظت کی جاتی کہ رواجی ناپاکی اُسے چھُو نہ جائے جب رسم کا وقت آتا یہ بچہ ایک لکڑی کی گاڑی پر جسے بیل کھینچتے تھے بٹھایا جاتا اور سیلوہ کے چشمہ پر لیجایا جاتا۔ وہاں پر وہ بچہ اُترتا۔ اور ایک مٹی کے برتن میں چشمہ سے پانی نکالتا جس کو اُٹھائے ہوئے اُسے واپس اسیطرح جسطرح وہ فرمایا تھا ہیکل میں لیجایا جاتا" +

ایک اور بیان میں بجائے "حاملہ عورت کے" "حاملہ عورتیں" ہے۔ اور یہ ذکر ہے کہ انہیں ایسے صحنوں میں رکھا جاتا جو چٹانوں پر بنائے گئے ہوتے اور جن کے نیچے جگہ کھدی ہوئی ہوتی۔ وہ اور اُن کے بچے زرد گائے کے استعمال کیلیئے رکھے جاتے۔ ابتدائی رواجوں میں غالبًا یہ بچے خود ہی قربان کیئے جاتے تھے۔ بعد میں ان بچوں کا قائمقام زرد گائے کو کر دیا گیا +

ایک مضمون میں "کلین اینڈ ان کلین" (پاک اور ناپاک) کے عنوان سے جی آر سم کاکس نے لکھا ہے زرد گائے کے متعلق بحث ہے۔ لیکن اس سے اس رسم پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی بہت سے سوالات اُٹھائے گئے ہیں۔ جن کا جواب نہیں دیا گیا مضمون نویس لکھتا ہے:-

یہ رسم خود ایسی تاریکی میں ہے جیسے کہ اسکی تاریخ۔ ایک بات ضروری یہ ہے کہ اسکے پیروہت ہر قدم پر پاک ہونے چاہئیں۔ اور اپنی پروہتی کے کام کرنے سے وہ ناپاک ہو جاتے۔ جو پروہت جلنے کی نگرانی کرتا ہے وہ شام تک ناپاک رہتا ہے۔ ایسا ہی جو جلاتا ہے وہ بھی۔ جو خاکستر کو اکٹھا کرتا ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔ گو یہ ضروری ہے کہ خاکستر پاک جگہ پر رکھی جائے ایسا ہی وہ جو پانی کو چھڑکتا بلکہ اسے چھُونا بھی ہے جو ایک ہی طریق ہے جو ان لوگوں کو ناپاک کر دیتا ہے جو پاک مُردہ کو چھُوتے ہیں۔ دو دفعہ گائے کو گناہ کی قربانی کیا گیا ہے"

اس کی رسم دوسرے گناہ کی قربانیوں کے ساتھ دلچسپ مطابقت رکھتی ہے .... کیا تمام رسوم
شہر کے باہر عبادت کرنے کی پرانی رسم میں جو داؤد کے وقت تک باقی رہی اور شہر کو ایک
عبادتگاہ کے ذریعہ سے پاک کرنے کی نئی رسم میں ایک قسم کی مطابقت پیدا کرنے کیلئے ہیں
.... بادشاہ لبطور قاعدہ شہر کے اندر دفن کیئے جاتے تھے ۔ اور ان کے لیئے ایک بڑی آگ
جلانے کا بھی رواج تھا .... کیا قیمتی اشیاء بادشاہوں کو عزت دینے کیلئے جلائی جاتی تھیں؟
کیا عُود اور زُوفہ اور بانات کا جلانا جو گائے کے ساتھ جلائے جاتے تھے اس قسم کے جلانے سے
کچھ مُشابہت رکھتا ہے؟ کیا گائے کا شاہانہ تجہیز و تکفین کی رسوم کے ساتھ فیصلہ کرنا کوئی یادگار
کسی پُرانے مذہب کی ہے جو مُقدّس جانوروں کے مُتعلّق ہو؟ کیا زرد گائے آخری نشان گائے
کو معبود بنانے کا ہے؟ .... بہرحال گائے کی خاکستر کا اثر اس واقعہ میں ہے کہ وہ ناپاک کو پاک نہیں
کرتیں بلکہ دوبارہ مُقدّس کر دیتی ہیں" +

اُروقیوں کے ہاں ایک نوروز کی رسم ہے ۔ اور اس میں کچھ دلچسپی کی باتیں
ہیں ۔ پہلے دن سب آگ بجھا دی جاتی ہے ۔ اور خاکستر ہوا میں اُڑا دیجاتی ہے
تب از سرِ نو آگ جلائی جاتی ہے ۔ یہ مُجھے ایک ایسا ہی عقیدہ یاد دلاتی ہے جو سکاٹلینڈ میں آج کل
پایا جاتا ہے ۔ یہ ایک معمولی بات ہے کہ لوگوں کو یہ کہتے سُنا جاتا ہے کہ سب چیزیں نئے سال
کے پہلے دن صاف ہونی چاہئیں ۔ کپڑے دھوئے جاتے ہیں ۔ گھر صاف کیا جاتا ہے ۔ اور بیچے
کا لباس بھی نیا پہنا جاتا ہے ۔ ٹھیک اس سے پہلے جو پُرانا سال رُخصت ہوتا ہے ۔ سب سے
آخری کام جو خادمہ کرتی ہے ۔ وہ گھر کی دہلیز کا دھونا ہے ۔ اور یہ لبطور ایک تیاری کے ہوتا ہے
کہ صاف کپڑے پہنے جائینگے ۔ تاکہ اُسے اس وقت سے پہلے پورا کر لیا جائے ۔ جب گھنٹے نئے سال
کی آمد کی اطلاع ٹن ٹن سے دیں ۔ اُروقیوں کے ہاں دوسرے دن لوگ عجیب و غریب کپڑے پہنتے اور
اور سب گھروں میں لوگوں کے گُناہ اکٹھے کرنے کیلئے پھر جاتے ۔ تیوہار کے آخری دن کی
صبح دو سفید بکرے جن پر سُرخ رنگ سے اور پروں وغیرہ سے آرائش کیجاتی باہر نکالے جاتے ۔ اُن کو
پھانسی دیجاتی اور ایک لیٹرس پر ان کو لٹکا دیا جاتا ۔ بعد میں لوگوں کے گُناہ اُن کی طرف منتقل
کیئے جاتے ۔ اُن کی لاشیں چھت پر جلائی جاتیں ۔ چھت کی خاکستر گاؤں کے اندر سے لیجائی جاتی

اور ہر ایک گھر کے دروازہ پر چھڑکائی جاتی۔ غالباً مصیبت کو دُور رکھنے کیلئے یہ رواج ہر ایک برّاعظم میں بُت پرستوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے +

سوماٹرا کے قدیم باشندے ایک مُرغ گھوڑا یا ایک بھینسا بطور ایک قربانی کے دیتے ہیں تا کہ زمین پاک ہو اور سر سبز ہو۔ قدیم لوگوں اور وحشی قوموں کے ہاں بہت سے طریقے تھے جن کی غرض دیوتاؤں کی ناراضگی کو دُور کرنا تھا۔ تا کہ زمین سرسبز ہو اور فصل بڑھے اور بیج اچھی طرح نشوونما حاصل کریں جن پر اُن کے رزق کا انحصار تھا۔ اسی رنگ کا جادُو ابھی مفقود نہیں ہوا بلکہ بیسویں صدی کی تہذیب کی گلیوں اور کوچوں میں یہ اب بھی سرسبز ہے +

مکسیکو کی پُرانی تہذیب میں دیوتاؤں کیلئے اِنسان کی قربانی ایک معمولی رواج تھا۔ اور سال میں کئی دفعہ ہوتی تھی بعض موقعوں پر لوگوں کی نجات یا فصل کی بچاؤ کے لئے بہت سی قربانیاں اکٹھی کر دی جاتی تھیں۔ جو لوگ اس پر تفصیل سے بحث دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ان سپانوی مصنفین کی کتابوں کو دیکھیں جنہوں نے مکسیکو کے متعلق لکھا ہے۔ فریزر اپنی کتاب "گولڈن باؤ" میں بہت سی تفصیلات دیتا ہے۔ اور "سکیپ گوٹ" پر جو کتاب ہے۔ اسمیں مکسیکو میں "دیوتا کا مارنا" کے عنوان سے اس کا خلاصہ دیا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح اس لڑکی کو آراستہ کیا جاتا جو مکّی کی دیوی کے طور پر ہوتی۔ کس طرح دیوی کا تاج اُس کے سر پر پہنایا جاتا اور مکّی کے سٹے اُس کی گردن کے گرد اور اس کے ہاتھوں میں پہنائے جاتے۔ ایک سبز پر عین اس کے سر کے اُوپر ہوتا۔ تا کہ مکّی کے خوشہ کی نقل ہو کس طرح پر جلوس بنا کر اسے باہر نکالا جاتا اور انسانی خون کے نذرانوں سے اسکی عبادت کی جاتی۔ اور کس طرح اُسے مارا جاتا +

"جب مجمع اکٹھا ہو جاتا۔ تو پروہت تمام رُسوم کے ساتھ اُس لڑکی کو جو دیوی کے قائم مقام ہوتی بخُور وغیرہ سے خوشبُو لگاتے تب وہ اسکو اور دانوں کے ایک ڈھیر پر پیٹھ پر لٹا دیتے۔ اس کا سر کاٹ دیتے۔ اور خون جو بہہ نکلتا اسے ایک بڑے برتن میں اکٹھا کر لیتے اور اسے دیوی کی لکڑی کے بنے ہُوئے بُت پر چھڑک دیتے۔ اور ایسا ہی کمرے کی دیواروں پر اور ہر قسم کے غلّہ اور ترکاریوں وغیرہ کے ڈھیروں پر جو فرش پر پڑے ہوئے ہوتے۔ اس کے بعد وہ سر کٹی ہوئی لاش کا چمڑا اُتارتے اور پروہتوں میں سے ایک اس خون آلود چمڑے کے اندر گھس جاتا۔ تب وہ تمام لباس اس پروہت کو

پہنائے جاتے جو لڑکی نے پہنے ہوئے تھے۔ وہ تاج کو اس کے سر پر رکھتے اور مکی کے سٹوں کا سونے کا ہار اُس کے گلے میں پہنا دیتے۔ اور پروں اور سونے کے مکی کے سٹے اسکے ہاتھوں میں "اس کے بعد مصنف یہ دکھاتا ہے کہ اس لڑکی کو گویا مکی کی دیوی ہی سمجھا جاتا تھا۔ جسے قربان کیا جاتا تھا۔ اور پھر پروہت کو اس کا لباس پہنانے میں گویا یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ دیوی دوبارہ جی اُٹھی ہے +

امریکہ یورپ افریقہ ایشیا تمام براعظموں میں ابتدائی مذاہب میں یکساں حالات پائے جاتے ہیں۔ اختلافات بھی بیشک ہیں۔ اور مطابقت کے ساتھ اختلاف کا ہونا ضروری بھی ہے آب وہوا انظاروں حالات گردوپیش کے اختلاف سے اختلاف ہوئے مگر اصول سب یکساں نظر آتے ہیں یعنی لوگوں کو گناہ سے پاک کرنا اور مصیبت سے محفوظ کرنا اور زمین کو پاک کرنا اور اسے سرسبز کرنا۔ گویا دوبارہ زندگی دینا اصل اصول ہیں +

اِسلام اور عیسائیت

اور

تہذیب انسانی پر اُن کا اثر

(از مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل۔ بی)

جو لوگ اسلام اور عیسائیت کی ترقی کی تاریخ کا مطالعہ کرینگے۔ اُن کو ایک امر ان دونوں مذہبوں کی تاریخ میں عجیب معلوم ہوگا۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ عیسائیت دُنیا میں اس وقت آئی جب رُومی تہذیب جو قدیم دُنیا کی اعلیٰ ترین تہذیب ہے اپنے عروج پر تھی۔ اور اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ عیسائیت کی پہلی فتوحات اُنہی لوگوں میں تھیں جو سلطنت روما کی رعایا تھے۔ اور پھر یہ بھی مسلّم ہے کہ جُوں جُوں عیسائی مذہب ترقی کرتا گیا اور پھیلتا گیا اور سلطنت روما میں اُس کا رسوخ بڑھتا گیا توں توں رومی تہذیب بھی زوال پذیر ہوتی گئی۔ اُس کے برخلاف ایک اور مجموعہ واقعات کا مُسلّم ہے۔ اور وہ یہ کہ اسلام نے ایسے لوگوں میں پیدائش لی۔ اور نشوونما حاصل کیا جو ابھی تک تہذیب کی روشنی سے دُور اور ایک

وحشیانہ حالت میں تھے۔ اور نہ صرف اس ملک پر ہی تاریکی اور جہالت چھائی ہوئی تھی جسمیں اسلام پیدا ہؤا بلکہ قدیم دنیا کی ہر ایک تہذیب اس وقت زوال پا چکی تھی! اور تمام ممالک عالم پر یکساں تاریکی محیط تھی۔ اور پھر جوں جوں اسلام ترقی کرتا گیا۔ دنیا پر تہذیب کی روشنی بھی پھیلتی گئی۔ اس کا پاک اثر نہ صرف اہل عرب پر ہی ہؤا بلکہ جہاں جہاں اس کے پاک اصول پہنچ بھی گئے۔ ان لوگوں نے بھی اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اور تمام عالم پر سے جہالت کا پردہ اُٹھنا اور علم اور عقل کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی پس ان دونوں مذاہب کی ترقی میں جہانتک اس کا تعلق بیرونی دنیا سے ہے۔ ایک عجیب مقابلہ نظر آرہا ہے +

اِس مقابلہ کے ساتھ ہی ایک اور تقابل بھی ان دونوں مذاہب میں ہماری آنکھ کے سامنے خودبخود نمایاں ہوتا ہے۔ جب تک عیسائیت کے عقائد نے اپنی پوری گرفت لوگوں پر رکھی تو وہ قوم جو ان اصول کے ماتحت رہی جہالت میں غرق رہی لیکن جب اسکے خاص عقائد کا اثر لوگوں کے دلوں پر سے زائل ہونا شروع ہؤا تو تہذیب کی روشنی بھی تیز ہونی شروع ہوئی۔ خود اگر گذشتہ صدی پر ایک غور کی نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ ایک طرف اگر انیسویں صدی نے عیسائی ممالک میں وہ تہذیب پیدا کردی ہے جو قدیم تہذیبوں سے بڑھ گئی ہے تو دوسری طرف اسی صدی نے عیسائیت کے خاص عقائد کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے! اور وہ عقائد روز بروز کمزور ہوتے چلے گئے ہیں۔ یہاں آکر پھر اسلامی تہذیب سے ایک عجیب مقابلہ مسیحی تہذیب کا نظر آتا ہے۔ کیونکہ جس طرح اسلامی تہذیب اسلام کی ترقی کے ساتھ بڑھنی شروع ہوئی۔ اسی طرح اسلامی تہذیب کا زوال اُس وقت سے شروع ہوتا ہے۔ جب لوگوں نے اسلام کے اصول پر عمل پیرا ہونے میں غفلت دکھائی اور ہر ایک ملک میں جہاں اسلام نے اپنا قدم رکھا اور اسلامی تہذیب نے اپنا قدم جمایا۔ یہ ایک ہی نقشہ نظر آتا ہے یعنی جس قدر کوئی قوم جو اسلامی تہذیب کے نیچے آئی تھی اسلام کے اصول سے پیچھے ہٹتی گئی اُسیقدر اس کا عروج اور اسکی تہذیب بھی کم ہوتے چلے گئے + یہ مقابلہ ایسے واقعات کی بنا پر ہے۔ جن کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس اسلامی اور مزعومہ مسیحی تہذیب میں ایک اصولی فرق نظر آتا ہے۔ یہ اتفاق کی بات نہیں کہ عیسائیت

کے اصُول کی ترقّی کے ساتھ تہذیب میں تنزّل شروع ہو جاتا ہے اور اُس کے اصُول کی تنزّل کے ساتھ تہذیب میں ترقّی شروع ہو جاتی ہے نہ ہی یہ امر نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ کہ اسلام کی ترقّی کے ساتھ تہذیب اور علوم نے ترقّی حاصل کی۔ اور اسلامی اصُول کے اثر میں کمی نمایاں ہونے کے ساتھ ہی ان لوگوں کی تہذیب اور علوم میں بھی تنزّل شروع ہو گیا +

یہ محض جھوٹ ہے کہ اسلامی تہذیب اپنی ترقّی میں خود بخود ایک مرحلہ پر پہنچ کر رُک گئی۔ کیونکہ اُس کے اصُولوں میں کوئی ایسا نقص تھا جو اسکی مزید ترقّی سے مانع تھا مُسلمان قوموں کی حالت میں تنزّل کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی۔ کہ اسلام کے اصُول میں کوئی مخفی نقص تھا جس نے پہلے اپنا اثر نہیں دکھایا۔ بلکہ خود ان اصُول کا ترک کرنا جن پر اس ترقی کی بنیاد تھی۔ اور ان رواجات کا غلط استعمال جو ابتدا میں علوم اور تہذیب کی ترقّی میں معاون ہُوئے تھے۔ مُسلمان قوموں کی تنزّل کی اصل وجہ ہے پس یہ یقینی ہے۔ کہ ان دونوں مذاہب کی ترقّی اور تنزّل کا فرق اس اثر کے فرق کا نتیجہ ہے جو اُن کے اصُول نے انسان کی قوت عمل اور قوموں کے نشوونُما پر ڈالا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ ان دونوں مذاہب کے اعظم ترین اصُول میں اہم فرق یہ ہے کہ عیسائیت کے مُروجہ اصُول نے جو حضرت مسیح سے کچھ عرصہ بعد پیدا ہُوئے۔ ان لوگوں کو جو ان اصُول پر عمل پیرا ہُوئے۔ توہّم پرست زُود اعتقاد علوم سے نفرت کرنیوالے ناکارہ اور سُست بنا دیا۔ اور اُسکے بالمقابل اسلام کے اُن اصُول نے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے۔ آپ کے پیروؤں کے اندر کام کا جوش اور محنت کی عزت پیدا کر دی۔ اور اُن کے اندر تحقیق کی رُوح پھُونک دی۔ اور اُن کے دلوں کو علم کی محبّت سے معمور کر دیا۔ یہ دعاوی ان دو قوموں کے متعلق اُن کی پچھلی تاریخ کے مطالعہ سے ایسے صاف ہو جاتے ہیں کہ اُن دعاوی کی مزید تائید کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی۔ مگر اس پہلو کو چھوڑ کر جس پر واقعات شاہد ہیں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ عقاید اور اصُول کیا تھے۔ اور جو لوگ ان کو قبول کریں ان پر کس قسم کا اثر اُن سے پیدا ہو سکتا ہے +

عیسائی مذہب کا سب سے بڑا اصُول بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ اس کا بُنیادی اصُول۔ اس عیسائی مذہب کا نہیں جس کی طرف حضرت مسیح بلاتے تھے۔ بلکہ جو پولوس نے آپ کے پیروؤں

میں مُروّج کر دیا۔ کفّارہ کا اصُول ہے جس کی جتنی کوئی چاہے تشریح کرلے۔ مگر اس کا اثر عام طبائع پر لازماً یہ پڑتا ہے۔ کہ اُن کا بوجھ کسی اور نے اُٹھا لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خیال کا جو اثر غیر محسوس طور پر طبیعت پر پیدا ہوگا وہ یہی ہو سکتا ہے۔ اور یہی ہوُا ہے کہ انسان کی قُوّت عمل بیکار اور ردّی کی طرح ہو جائے۔ کیونکہ جب اس کا بوجھ کسی نے اُٹھا لیا تو اب اسکے اندر یہ لو کیونکر پیدا ہو کہ میری بھی دُنیا میں کوئی ذمّہ واری ہے! اور مجھے خود اپنے لئے بلکہ نسل انسانی کے لئے بھی کچھ کرنا ہے۔ جب اس کا ایمان یہ ہوگیا۔ کہ میرا بوجھ دوسرے نے اُٹھا لیا اور میری ذمرواری کوئی باقی نہیں رہی۔ تو اب اس کے اندر قُوّت عمل کی محرّک کونسی چیز ہو سکتی ہے۔ جو کچھ اُس نے کرنا تھا وہ اس سے ایک بہتر انسان نے کر دیا ہے۔ وہ ایک بوجھ کے اُٹھانے کے ناقابل تھا مسیح نے اس کا بوجھ اُٹھا لیا۔ بس اب کیا کرنے کی حاجت ہے۔ اس طرح پر کفّارہ کے عقیدہ نے انسان کی قوت عمل پر ایک مُہلک اثر کیا ہے۔ اور درحقیقت انسان کی تمام قوتوں کو مار دینا چاہا ہے +

پھر تثلیث کے عقدۂ لاینحل نے اسی مذہب کے پیروؤں کو پہلے علوم کی طرف سے لاپروا اور بالآخر ترقی علوم کا مخالف کر دیا۔ جب وہ اصُول جس پر انسان کی نجات کا دار و مدار ہے وہی ایسا ہے۔ کہ انسان دُور سے اسکی عزت کرچھوڑے۔ اور علم اور تحقیق کی رُوشنی میں اُسے نہ لائے۔ تو اس کا نتیجہ لازماً یہ ہونا چاہیئے کہ قوائے عقلی اور تحقیقات کا وہ مادہ آہستہ آہستہ مرنے شروع ہو جائیں۔ کیونکہ اُن کے استعمال سے کُفر لازم آتا ہے۔ مسیحیت نے سادہ اور عقلی اصُول کی تعلیم نہیں دی۔ اور اس کے اُلوہیت مسیح تثلیث اور کفّارہ کے عقدۂ لاینحل نے قوائے عقلی کو ایک سخت صدمہ پہنچایا۔ جس کا اثر یہ ہوُا کہ عیسائیت نے سینکڑوں سالوں تک اپنے پیروؤں کو ایک ذہنی تاریکی میں مُبتلا رکھا۔ اور یہ اثر آخر اس وقت زائل ہوُا۔ جب اسلام کے بلند منارہ پر علم کی طاقتور روشنی نمودار ہوئی۔ علاوہ بریں انجیلی تعلیم کا فلسفہ گو وہ ایک خاص قوم کیلئے اس کی رفتار ترقی میں ایک خاص مرحلہ پر کیسی ہی موزوں کیوں نہو اس قابل نہ تھا کہ اس پر مستقل بُنیاد کسی مہذب سوسائٹی کی رکھی جاتی۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ جو سوسائٹی ان اصُول کو قبول کرکے ان پر عمل پیرا ہوگی۔ اسکی زندگی کے دن

بہت جلد پورے ہو جائیں گے۔ نہ ہی افراد قوم اس تعلیم پر عمل کر کے سوسائٹی کے مفید ممبر بن سکتے ہیں۔ "بدی کا مقابلہ مت کرو" کسی خاص موقعہ پر ایک اچھی صلاح ہو سکتی ہے لیکن اگر اسکو بطور قانون کے قبول کیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ صرف یہی کہ ایک شخص کی عورت کی عزت پر ناپاک حملہ ہو رہا ہے۔ یا اُس کا دوست قتل کیا جا رہا ہے۔ یا اس کا مال ناجائز طور پر جا رہا ہے۔ اور وہ ان سب مناظر کو بیٹھا ہوا آرام سے دیکھے اور ظالم کی بدی کا مقابلہ نہ کرے۔ اب ایک جذبہ کے ماتحت انسان اس قسم کے اصول کی جتنی تعریف چاہے کرے۔ کہ یہ بڑی کامل تعلیم ہے مگر یہ ایسی تعلیم ہے کہ کسی قوم کو ترقی اور تہذیب کے معراج پر پہنچانا تو ایک طرف رہا اسکی زندگی کو بھی باقی نہیں رہنے دیگی +

جب انسانی قوتِ عمل کے اثر کو یوں کفارہ نے بیکار کر دیا تحقیق و تنقید عملی کی طاقت کو تثلیث نے معطل کر دیا۔ تو اب جو کچھ ذہانت اور علم ان اصول کے پیرووں کے اندر رہ گیا اس کا مصرف صرف یہی رہ گیا کہ یسوع مسیح کے اس عظیم الشان کارنامہ کی مدح سرائی کی جائے جس کے متعلق یوں ہی خیال کر لیا گیا کہ اس سے نسل انسانی کو نجات ملگئی۔ عیسائی سوسائٹی کے لیئے بس یہی ایک علم اور یہی ایک شغل رہگیا۔ اور اسی پر ساری توجہ اور سارا زور صرف ہونے لگا۔ ایک ایماندار عیسائی کے قلب کا یہ احساس کہ مسیح میرے گناہوں کو لیگیا ہے خواہ نفس الواقع وہ انبار در انبار موجود ہوں لازماً دل کے اندر ایک ایسی راحت پیدا کر دیتا۔ کہ بجائے اپنی کمزوری کی اصلاح کے اسکی ساری توجہ اس کارنامہ کی مدح سرائی پر لگجاتی جس نے اسکے خیال میں (اگر واقع میں اس کا کوئی وجود عالم میں ہو یا نہو) ساری دُنیا کو ایک ہی دفعہ گناہ سے پاک کر دیا۔ اور یوں عمل کی جگہ ایک جذبہ نے لیلی۔ یہی وجہ تھی کہ جب عیسائیت نے اپنی موجودہ صورت میں سلطنت روما میں اپنا قدم جمالیا تو اُس عظیم الشان تہذیب میں جو روم کے نام سے وابستہ تھی فوراً انحطاط شروع ہو گیا۔ اور آہستہ آہستہ وہ روشنی بالکل بجھ گئی۔ اور یورپ صدیوں تک جہالت اور غفلت کی تاریکی میں پڑا سوتا رہا۔ جس سے اُس نے اس وقت نکلنا شروع کیا۔ اور تب اس میں بیداری کے کچھ آثار پیدا ہوئے جب اسلامی تہذیب نے ایک نئی روشنی دُنیا میں پیدا کی۔ اور آخر کار جب کفارہ کے عقیدہ کا عملاً انکار شروع ہو گیا۔ تو عیسائی ممالک کی قوت عمل دوبارہ حرکت میں آئی۔ اور اُس کا

نتیجہ وہ مادّی ترقّی ہے جو آج ہم دیکھتے ہیں +

اسلام کے آغاز اور ترقّی نے جو حالات دُنیا میں پیدا کیئے وہ بالکل علیحدہ رنگ کے تھے اسکی پیدائش کے وقت ساری دُنیا سخت تاریکی میں مُبتلا تھی۔ اور کیا بلحاظ مدنیت اور کیا بلحاظ اخلاق عالم پر گویا ایک موت طاری تھی۔ مگر اسلام کے داخلہ کے ساتھ ہی اِس تاریکی کے منظر میں کیا عجیب تغیر نظر آتا ہے۔ کہ جہاں جہاں اسکی روشنی پہنچتی ہے۔ جہالت اور غفلت کی تاریکی کو پاش پاش کرتی چلی جاتی ہے۔ اور علم اور تہذیب اسلام کی ترقّی کے دوش بدوش ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک لمبے زمانہ کے بعد قومیں آرام اور راحت کی زندگی کو پاکر جو تہذیب کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس اصلی سبق کو بھولجاتی ہیں جس نے ان کے اندر یہ زندگی اور قوت پیدا کی تھی۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے اسلام کی پیدائش کے ساتھ ہی حامیانِ اسلام کے اندر ترقی کا جوش اور ولولہ پیدا کردیا۔ وہ درحقیقت اسلام کا بنیادی اصُول تھا جس نے کفّارہ کو باطل ٹھیرایا۔ اور انسان کو بتایا کہ اسکی نجات عمل سے ہے جس شاخ میں قوتِ عملی سے کام لیا جائیگا۔ وہی شاخ ترقی کریگی۔ اور جس پہلو میں قُوتِ عملی بیکار ہوگی وہ پہلو آخر خود بخُود جاتا رہیگا۔ ابتدا سے ہی یہ اصُول نہ صرف مُسلمانوں کی عملی زندگی میں کام کرتا ہؤا نظر آتا ہے جنہوں نے ایک غیر معمولی ہمت اور طاقت سے کام لے کر صدیوں کا کام سالوں میں کر دکھایا۔ بلکہ اگر تعلیم اسلام پر غور کی نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ واقعی اس تعلیم کا بنیادی پتھر عمل ہے۔ اس نے کھول کر بتادیا۔ کہ ہر ایک انسان کے سر پر اسکی اپنی ذمہ واری ہے۔ اور اسکی ذمہ واری کو دوسرا نہیں لے سکتا۔ لا تزر وازرۃ وزر اخری میں (یعنی اس اصُول میں کہ کوئی بوجھ اُٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا) نہ صرف کفّارہ کے ہی علی الاعلان تردید کی بلکہ قوم کو ایک شاہراہ بتادی کہ اسکی نجات دینی ہو یا دُنیوی کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ کوئی شخص اپنی ذمّہ واری کسی دوسرے پر ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ اگر وہ اپنی نجات چاہتا ہے۔ اگر اپنی قوم کی نجات چاہتا ہے۔ تو اس کا فرض ہے کہ اپنی ذمہ واری کو خود اُٹھائے۔ اسلام اس اصُول کا مخالف ہے۔ کہ ایک کا بوجھ دوسرا اُٹھا کر اسکو نجات دیدیتا ہے۔ اور یہ بتاتا ہے

کہ نجات درحقیقت اسی میں ہے کہ انسان اپنا بوجھ خود اٹھانے کو تیار ہو جائے +
اگر قرآن کریم کی تعلیم پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اعمال صالحہ پر اُس نے بہت ہی زور دیا ہے یہانتک کہ کسی کامیابی کو صرف ایمان سے وابستہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ امنوا وعملوا الصلحٰت کہہ کر یہ بتا دیا ہے کہ عمل سے ہی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے ایک مقام پر کھلے الفاظ میں سعی اور محنت کے ساتھ نتائج کے وابستہ ہونے کا اصول بیان فرمایا ہے۔ جہاں فرمایا

اِنَّ لیس للانسان اِلّا ما سعی وان سعیہ سوف یریٰ (النجم)

اِنسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرے۔ اور اسکی سعی جلد دیکھ لیجائیگی یعنی سعی کا پھل بھی وہ ضرور پالیگا۔ پس جب یہ تعلیم دلوں میں راسخ ہوگئی۔ کہ سعی کے سوائے کچھ نتیجہ نہیں ملیگا اور سعی اور محنت کبھی ضائع نہیں ہوگی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ اسلامی سوسائٹی میں قوتِ عمل زور پکڑتی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کہ جب تک یہ مقدس الفاظ مسلمانوں کے مدِ نظر رہے۔ یہ دُنیا کی قوموں کے سر پر رہے۔ اور اُن کے ہادی اور رہبر ہوئے لیکن جب اِس بُنیادی اصول کو چھوڑ دیا۔ اور قوتِ عمل کو بیکار کر دیا۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے اپنا اعلیٰ مقام بھی کھو دیا۔ اور قرآن کریم کے اصول سے لاپروائی نے اُن کو قعرِ تنزل میں گرا دیا۔ جس میں وہ اس وقت تک پڑے رہینگے۔ جب تک کہ سعی اور محنت کو اپنی زندگی کا اصول نہ بنائیں گے جس طرح ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں نے اُسے بنایا +
اسلام اور عیسائیت کے اصول میں فرق تو کھلا کھلا نظر آجاتا ہے عیسائی اقوام کو کہو کہ وہ اصول عیسائیت کے مطابق اپنے عمل کو کریں۔ آج اُن کی تہذیب اور دُنیوی ترقی کا خاتمہ ہو جائیگا مسلمان اقوام کو کہو کہ آج وہ اسلام کے اصول کے مطابق اپنا عمل بنائیں اور وہ پھر قوموں میں اسی مقام عروج پر ہونگے جس پر پہلے تھے۔ یہ صرف دلخوش کرنے کیلئے لفظ نہیں کیونکہ ہم نے واقعات کی بنا پر یہ ثابت کیا ہے۔ کہ اسلام کے بُنیادی اصول بالذات ترقی کے اصول ہیں۔ اور عیسائیت کے بُنیادی اصول بالذات تنزل کے اصول ہیں۔ اگر یہ امر واقع نہ ہوتا تو ان دو مذہبوں کی ترقی کے ساتھ ایسے کھلے کھلے واقعات ایک دوسرے کے بالکل مخالف ظہور پذیر نہ ہو سکتے تھے یعنی اسلام کی ترقی کے ساتھ دنیا سے جہالت اور وحشیانہ پن کا

تنزل اور علم و تہذیب کی ترقی۔ اور عیسائیت کی ترقی کے ساتھ پہلی تہذیب کا بھی انحطاط شروع ہو جاتا اور بالآخر اُس کا بالکل تباہ ہو جاتا۔ اسلام نے علوم اور سائنس کو جو ترقی دی وہ بھی ایک نمایاں واقعہ اُس کی ترقی کے نتائج میں سے ہے۔ اسلام نے عیسائیت کی طرح کسی راز سربستہ کی تعلیم نہیں دی جس کو سمجھنے سے انسان کی عقل عاجز ہو۔ بلکہ اُس نے بار بار عقل انسانی کو اپیل کی ہے۔ اور اس طرح پر گویا انسان کو بتایا ہے کہ اُس کا سب سے پہلا فرض ہے کہ اپنی قوت عقلی سے کام لے۔ پھر اسلام کی نظر تمام معاملات کی تہ تک پہنچتی ہے۔ کوئی چیز جو فی الحقیقت نقصان دہ ہو محض اپنی ظاہری خوشنمائی کی وجہ سے اسلام کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکی۔ نہ ہی مفید بات۔ اسلیئے کہ سطحی نگاہ کو اس میں کچھ نقص نظر آتا تھا۔ اسلام کی نگاہ میں قابل نفرت ہوئی۔ اُس نے چیزوں کی ظاہر صورت پر دھوکا نہیں کھایا۔ بلکہ اُن کی اندرونی حالت اور ان کے حقیقی فائدہ یا نقصان کے لحاظ سے اُن کو اچھا یا بُرا کہا۔ اور ہر ایک امر کی تہ تک پہنچ کر حکمت اور فلسفہ اشیاء کا سچا سبق اپنے پیرووں کو سکھایا۔ شراب ایک وقت کے لیئے طبیعت میں سرور پیدا کرتی اور اسلیئے ظاہر بینوں کو اچھی لگتی ہے قمار بازی تفریح کی صورت میں سامنے آکر انسان کو دھوکا دیتی ہے۔ مگر اسلام کے پُر حکمت مذہب نے ظاہری نمائش پر دھوکا نہیں کھایا اور صاف طور پر کہہ دیا اثمھما اکبر من نفعھما کچھ فائدے لوگوں کو ان کے اندر نظر آتے ہیں مگر اُن کا حقیقی نقصان ان ظاہری فوائد سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلیئے ایک مسلمان کو نہ چاہیئے کہ ان چیزوں کے قریب جائے کیسی پُر حکمت کلام ہے۔ طلاق ان لوگوں کے نزدیک کیسی معیوب ہے جو سمجھتے ہیں کہ عقد نکاح کبھی کھل ہی نہیں سکتا۔ اسلام نے اُسے ابغض الحلال الی اللہ بھی کہا۔ مگر اُسکی تہ تک بھی پہنچا۔ اور یہ جان کر کہ نسل انسانی کو جبتک اس زمین پر آباد ہے اسکے بغیر چارہ نہیں۔ اور کہ بعض اوقات ایک تعلق ایسا مُضر ہو جاتا ہے کہ طلاق ہی اس کا بہترین علاج ہے۔ طلاق کی اجازت بھی دی +

الغرض اصول اسلام پر ایک تحقیقی نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوگا کہ مُسلمانوں کی موجودہ حالت تنزل اصول اسلام میں کسی نقص کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ان اصول کو جو اُن کی دینی و دُنیوی فلاح کا موجب تھے ترک کرنے کا یا بعض امور کو ناجائز استعمال کا نتیجہ ہے۔ اور اسی طرح پر اصول

عیسائیت کو جب غور کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عیسائی اقوام کی موجودہ ترقی اصُول عیسائیت پر عمل کرنے کا نتیجہ نہیں بلکہ ان اصُول کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے۔ دوسری طرف واقعات ان نتائج کے مؤید ہیں یعنی اسلام کی ترقی کے ساتھ تہذیب و تعلیم کی ترقی۔ اور عیسائیت کی ترقی کے ساتھ تہذیب کا تنزل۔ اسلیئے چونکہ عملاً عیسائی دُنیا اب بھی اصُول اسلام کی پیرو ہے نہ اصُول عیسائیت کی۔ یہ یقینی امر ہے کہ اسلام کے اصُول آخر کار دُنیا پر غالب ہوں اسلام علی الاعلان کثیر حصہ مہذب اقوام کو اپنا گرویدہ بنالے ✦

نیک سامری

(از خالڈ سیلڈریک)

ہر شخص نیک سامری کی تمثیل سے واقف ہے لیکن کتنے تھوڑے ہیں جنھوں نے لوقا کے دسویں باب کے ۳۰ سے ۳۷ تک آیات کو پڑھا ہوگا۔ اور یسوع مسیح کے الفاظ کے حقیقی معنے کو سمجھنے کی کوشش کی ہوگی۔ یہ خوبصورت کہانی ایک سوال کے جواب میں بیان کی گئی ہے۔ جو حضرت مسیح پر کیا گیا۔ کہ "میرا پڑوسی کون ہے"؟ اور اس اقوام کے اِس طریق عمل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو اس شخص کے متعلق برتنا چاہیئے۔ جس کی حالت امداد اور مہربانی کی مقتضی ہے۔

ایک شخص سفر کی حالت میں تھا۔ کہ اس پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ جو اُسے "ننگا اور گھائل کر کے ادھموا چھوڑ گئے"۔ جب وہ اس حال میں تھا۔ تو اس کے پاس سے پہلے ایک کاہن گذرا۔ اس کے بعد ایک لاوی آیا۔ اور یہ دونوں صرف اسکو دیکھ کر ایک کنارہ سے ہو کر گذر گئے۔ آخر کار ایک اور شخص آیا۔ جو سامری تھا جسے بنی اسرائیل کی برادری سے خارج سمجھا جاتا تھا۔ اور گو وہ ایک خدا کی عبادت کرتا تھا لیکن چونکہ وہ شریعت اسرائیلی کی بعض باتوں پر عمل نہ کرتا تھا اسلیئے اسے اسمعیل کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اس نے کیا کیا؟ اس نے باوجود اجنبی ہونے کے اس بدقسمت انسان پر رحم کھایا جو زخمی پڑا تھا۔ اس کے زخموں کو باندھا اسکو اپنے گدھے پر سوار کیا۔ اسکو ایک سرائے میں لیگیا۔ اسکی خبرگیری کی۔ اس کے اخراجات کو ادا کیا۔ اور اور جو اخراجات ہوں ان کو ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ آؤ اس پر غور کریں ✦

وہ شخص جو ڈاکوؤں میں پڑا وہ آج دُنیا کی مثال ہے۔ وہ اس نسل انسانی کے قائمقام ہے جو امن اور خوشی کی حالت سے نکل گئی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔ اور اس طرح پر ان کی حالت اس شخص کی ہے جو ڈاکوؤں کے ہاتھ سے زخمی اور ادھموا ہو گیا ہو۔ اسکی مدد کس طرح ہو سکتی ہے؟ رُوحانی اور اخلاقی رنگ میں دُنیا آرام اور مدد کی محتاج ہے۔ اور اس احتیاج میں تمام قومیں خواہ کسی مذہب یا رنگ یا ملک کی ہوں شامل ہیں۔ مذہب کیا راہ دکھاتا ہے۔ اور تمثیل کو دیکھیں +

اوّل ایک کاہن اس تکلیف رسیدہ شخص کو دیکھتا ہے۔ اور دیکھ کر آگے گذر جاتا ہے۔ کاہن یہودی مذہب کا قائم مقام ہے۔ جو صرف ایک قوم تک محدود ہے۔ ساری دُنیا کے لیئے اُس کے پاس نہ کوئی پیغام ہے اور نہ مدد۔ وہ اپنے آپ کو برگزیدہ قوم کے نام سے موسوم کر کے نسل انسانی کی رُوحانی روشنی کی مانگ کی طرف سے غافل ہیں اور اپنے عقائد میں جکڑے پڑے ہیں۔ دُنیا یہودی مذہب سے کچھ حاصل نہیں کر سکتی +

اسکے بعد لاوی گذرتا ہے۔ لاوی عیسائیت کے قائم مقام ہے۔ یہ مذہب جس نے ظاہرا خوشنما نشان بنائے ہوئے ہیں۔ اور چند خیالات کے اندر جکڑا ہوا ہے نسل انسانی کی حالت پر غور نہیں کرتا۔ اور کسی کو بہشت میں جانے کے قابل نہیں سمجھتا سوائے اُس کے جو عیسائی ہو مگر دُنیا میں یہ وعظ کرتا پھرتا ہے۔ کہ ساری بیماریوں کی تریاق اُس کے عقائد کے قبول کرنے میں ہے اِسبات پر ایمان لے آؤ تم نجات پا جاؤ گے۔ یہ ایک خوشنما مجموعہ مُغلقات ہے۔ مگر اسمیں قوت فعلی کو عملمیں لانیوالی کوئی چیز نہیں + اس میں "کچھ کر" کی رُوح نہیں۔ بلکہ صرف "کچھ مان لو" سی تعلیم دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بالفرض اسبات کو مان لے کہ چاند پنیر ہے تو ایک معمولی آدمی اُسکو بیوقوف سمجھ کر اس پر ہنسیگا۔ اگر ایک شخص ایک بڑے عظیم الشان محل کے متعلق یہ یقین دلائے۔ کہ اسمیں ایک ہی راستہ ایک خاص دروازہ میں سے ہے۔ حالانکہ دیکھنے والے کو دوسرے راستے بھی نظر آتے ہوں۔ تو ہم اسکے بیان کی پروا نہیں کرینگے بلکہ اپنی عقل کو کام میں لائیں گے یہی اصل ہے یعنی عقل سے کام لینا اسکے بغیر ہم ایک اندھے کی طرح ہیں عیسائیت ہم کو سکھاتی ہے کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ اور کہ اگر ہم اِسبات کو مان لیں کہ خدا انسان

کی شکل میں مصلوب ہوا تو ہم نجات پا جائینگے۔ اسکی تعلیم ہے کہ بس نجات کا صرف یہی ایک دروازہ ہے
یہ کسقدر تنگدلی ہے! کس طرح اسے یہ جرأت ہے کہ لوگوں کو کہے کہ اپنی عقل کو جواب دیکر چند مذہبی آدمیوں کی
ایک کونسل کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دے جنہوں نے عیسائیت کے عقیدہ کو انیس صدیوں سے خونریزی
اور قتل اور شدت کے ساتھ پختہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور ایک ایسی مذہبی
تکلیف دہی کی بنیاد رکھی جس نے ملکوں کو جنہوں نے پیش کردہ عقیدہ سے ایک بال کے برابر بھی
انحراف کرنا چاہا موت کا پیالہ پلایا ہے +

عیسائیت نسلِ انسانی کو روحانی اور اخلاقی طور پر بلند مقام پر پہنچانے پر ناکام ہوئی ہے! اور
یہ انسانی خوشی کے سوال کا منطقی جواب ہے عیسائیت چار سو نوے سے زیادہ یعنی قریباً پانچسو فرقوں
میں تقسیم شدہ ہے! اور یہ دیکھنے والے کیلئے ایک افسوسناک منظر ہے کہ کسطرح ایک غلط راہ پر پڑ کر باہم لڑ جھگڑ
رہے ہیں۔ اور اگر طاقت ہوتی تو اب بھی انسانوں کو اختلاف رائے کیلئے جلایا جاتا جیسا پہلے جلایا جاتا
تھا۔ دو ہزار سال تک اسے موقع دیا گیا کہ زمین کو خوشنما بنائے۔ نسل انسانی کو حقیقی طور پر مہذب بنائے۔ دنیا
میں خوشی اور امن لائے مگر یہ بہت بری طرح اور بالکل ناکام ہوئی ہے۔ یہ ترازو میں تولی گئی! اور ناقص پائی
گئی ہے۔ یہ دنیا کی سخت ترین مصائب کے وقت اسیطرح پاس سے گذر گئی ہے جس طرح لاوی مصیبت زدہ
انسان کے پاس سے گذر گیا تھا۔ حضرت مسیح جو خدا کے ایک نبی تھے انہوں نے تمثیل میں عیسائیت کی
اس حالت کا نقشہ کھینچ دیا۔ اور یہ پیشگوئی کردی۔ کہ ایسی مصیبت کی حالت میں نسل انسانی کو مدد ایک
ایسی قوم کی طرف سے پہنچیگی جسے کاہن اور لاوی یہودی اور عیسائی دائرہ سے باہر سمجھتے اور رد کردہ
خیال کرتے ہیں۔ سامری نے زخموں پر مرہم پٹی کی بیمار کی جہانتک ممکن تھا مدد کی اور اسکی جان کو
بچا لیا۔ یہ سامری اسلام ہے جو صلح اور امن کا مذہب ہے! اس کا پاک پیغام ساری نسل انسانی کے نام یکساں
ہے یہ مصیبت زدہ نسل انسانی کی مصیبت کے اصل وجوہات پر غور کرتا ہے! ور اسکی مصیبت کے موجبات
کا علاج کرتا ہے۔ یہ جبر کی تعلیم نہیں دیتا۔ اور نہ کسی قوم کو اپنے دائرہ سے خارج کرتا ہے۔ یہ نجات کا مدار
اعمال صالحہ کو ٹھیراتا ہے۔ نہ اس یا اُس عقیدہ کے صرف مان لینے کو۔ اگر ہمارے اعمال میں
صلاحیت ہوتی تو یہ عظیم الشان جنگ نہ ہوئی ہوتی۔ مگر مسیحیت یورپ کا سرکاری مذہب
تھا مسیح کی مسیحیت نہیں بلکہ کلیسیا کی مسیحیت جو بالکل الگ چیز ہے۔ حضرت مسیح نے افوت

اور قربانی سکھائی۔ کلیسیا تفرقہ اور خودنمائی سکھاتی ہے۔ اگر حضرت مسیح آج زمین پر پھر آسکتے تو وہ عیسائی اقوام کو کبھی اپنا پیرو نہ مان سکتے۔ آپ کی تعلیم اس قدر محرف و مبدل ہوگئی ہے کہ آپ اسے رد ہی کرتے۔ اسلام ہی درحقیقت وہ مذہب تھا۔ جو حضرت مسیح اور تمام انبیائے علیہم السلام نے سکھایا۔ اور آج ہم سب محققین کو دعوت دیتے ہیں۔ کہ وہ تعصب سے خالی ہو کر اسلام پر غور کریں مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ بحث کریں۔ اسلام کی کتابیں پڑھیں اور مذہب کے معاملہ میں اسی عقل سے کام لیں۔ جس سے وہ اپنے کاروبار میں کام لیتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ بہترین انسان وہ ہے جس سے انسانوں کو بہت نفع پہنچتا ہے۔ اور پھر فرمایا ہے۔ کہ کوئی شخص ایمان نہیں لاتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیئے وہی بات نہ چاہے جو اپنے لیئے چاہتا ہے۔ اسلامی ترقی کے لیئے روشنی کا منارہ ہے اس نے دنیا کو صحیح تعلیم دی۔ جب عیسائیت اسے توہم پرستی کی تاریکی کی طرف کھینچ رہی تھی۔ یہ تمام لوگوں کو رنگ اور قوم کے تفرقہ کو نظرانداز کر کے نجات کی امید دیتا ہے۔ یہ بت پرستی۔ شراب خوری۔ ناپاکی۔ زناکاری اور بازاری پیشہ کو روکتا ہے۔ مگر عیسائیت اس کے روکنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اسلیئے یورپ آج دو ہزار سال عیسائیت پر گذر چکے ہیں۔ ان برائیوں کا علاج قانون بنا کر کرنا چاہتا ہے۔ یہی امر اسکی ناکامی پر کافی شہادت ہے +

واشنگٹن ارونگ

کے خیالات
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق

(از خورشید انور بی اے)

اپنی کتاب "محمد (صلعم) اور انکے جانشین" واشنگٹن ارونگ آنحضرت صلعم کی ذیل کی تصویر کھینچتا ہے:-

"آپ خوراک کے معاملہ میں بہت سادہ اور پرہیزگار تھے۔ اور روزوں کے بڑے پابند تھے۔ آپ کبھی فاخر لباس زیب تن نہ کرتے تھے جو بھلے لوگ نمائش کیلئے کرتے ہیں۔ اور لباس کی سادگی آپ میں تکلف سے

نہ تھے۔ بلکہ آپ سچے دل سے ایسے حقیر امتیازات کو لاپروائی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپکے کپڑے بعض وقت اون کے ہوتے بعض وقت یمن کے دھاری دار سُوتی کپڑوں کے اور بیشتر اُن میں پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ پرائیویٹ معاملات میں آپ انصاف پسند تھے۔ آپ دوستوں اور اجنبیوں دولتمندوں اور غربا طاقتوروں اور کمزوروں سے عدل کا سلوک کرتے تھے۔ اور عام لوگ آپ کو محبوب رکھتے تھے۔ اسلیئے کہ آپ اُن سے نہایت مہربانی سے پیش آتے۔ اور اُن کی شکایات کو سُنتے تھے۔ آپ کی جنگی فتوحات نے آپ میں کوئی غرور اور کوئی نمود پیدا نہیں کیا۔ جیسا کہ ان کا یہ نتیجہ لازمی تھا۔ اگر وہ خود غرضی پر مبنی ہوتیں اپنی اعلے سے اعلے طاقت کے زمانہ میں آپکے اخلاق و اطوار اور ظاہری شکل و صورت میں وہی سادگی پائی جاتی تھی۔ جیسے کہ آپ کی مصیبت سخت تکلیف اور بےکسی کے دنوں میں شاہانہ شان و شوکت کو اختیار کرنا تو ایک طرف رہا۔ آپ اس بات پر بھی ناراض ہوتے کہ آپکے کمرہ میں یا کسی مجلس میں آئیں تو کسی غیر معمولی عزت کی علامت کا اظہار کیا جائے۔ اس دنیوی حکومت کے متعلق جس نے آپ کے ہاتھوں میں نشو و نما پائی۔ اگر مذہب کی عالمگیر حکومت آپکے مدنظر تھی تو دوسری طرف جس طرح آپ نے اسے بغیر نمود کے استعمال کیا۔ اسی طرح اپنے خاندان میں اسکو جاری رکھنے کی کوئی تدبیر آپ نے کبھی نہیں کی +

اسلام کے دشمن آئیں اور بتائیں کہ وہ آنحضرت صلعم کے متعلق اُنکے کیا خیالات ہیں جب ان امور متذکرہ بالا کے ساتھ اُنکو یہ بھی مدنظر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی سختی کے ساتھ سادہ تھی کس طرح آپ محض جو اور کھجوروں پر گذارہ کر لیا کرتے تھے جبکہ آپ حکماً بہتر سے بہتر سامان زندگی اپنے لیئے فراہم کر سکتے تھے کس طرح پر اپنی فتوحات میں آپنے حکم دے رکھا تھا کہ جو مائیں قید ہو کر آئیں اُنہیں اُنکے بچوں سے علیحدہ نہ کیا جائے اور کس طرح آپنے اعلان عام کر دیا کہ جس شخص کو کوئی تکلیف آپکے ہاتھ سے پہنچی ہو وہ اسکا قصاص آپ سے ہمیں لے لے۔ حتےٰ کہ بستر مرگ پر بھی آپنے اسی بات پر اپنی رضامندی ظاہر کی +

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی یہ ایک ہی نمایاں خصوصیت کہ آپنے بادشاہت اور حکومت کے وقت ایک ذرہ بھی اپنی پہلی زندگی کی عادت میں فرق آنے نہیں دیا اور بیت المال پر آپ کا پورا اختیار ہوتے ہوئے آپنے روپیہ اور مال کو اپنے پاس تو کیا اپنی ازواج مطہرات کے پاس تک نہیں آنے دیا۔ آپ کو دنیا میں وہ ممتاز حیثیت دیتی ہے جس کی دوسری نظیر اس عالم کی تاریخ میں ہمیں نہیں ملتی۔ ایک شخص بادشاہت کو چھوڑ کر فقیر ہو جائے اور درویشانہ زندگی اختیار کرلے اسکی نظیریں تو شاید مل جائیں۔ مگر بادشاہت بھی کرے۔ اور پھر درویش ہو اور بادشاہت کے مال و دولت سے اسکی شان و شوکت سے اس کا قلب ایک ذرہ بھر بھی متاثر نہو۔ یہ ایک بےنظیر واقعہ آپ کی زندگی کا ہے جس کی مثال کیلیئے تاریخ عالم کو تلاش کرنا

ہفتہ وار "العصر"

ماہنامہ "العصر" کا ہفتہ وار ایڈیشن $\frac{۲۰\times۲۶}{۴}$ کی تقطیع پر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ماہ ستمبر کے ابتدائی ایام میں نکلنا شروع ہوگا۔ اس اخبار کے اغراض و مقاصد وہی ہیں جو ماہنامہ "العصر" کے ہیں لیکن اس کی چند خصوصیات ملحوظ ہوں گی

(۱) اس میں ملک کے نامور انشا پردازوں کے مضامین علمی و ادبی۔ اقتصادی و معاشرتی تمدنی و سیاسی بہترین انتظام و ترتیب کے ساتھ شائع ہوا کریں گے۔

(۲) انگریزی جرائد اور اخبارات کے دلچسپ اور جدید معلومات سے مملو۔ مضامین کے اقتباسات بھی ہوا کریں گے۔

(۳) ملک کی سیاست حاضرہ پر نہایت آزادی سے بحث ہوگی اور عامۃ الناس کے جذبات و حسیات کی ترجمانی کا یہ اخبار بہترین ذریعہ ہوگا۔

(۴) زراعت، فلاحت و تجارت کے متعلق مضامین بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوا کریں گے۔

(۵) جنس لطیف کی ترقیات دنیوی و روحانی کے متعلق نہایت تابناک جواہر ریزے ہدیہ ناظرین ہوتے رہیں گے

(۶) تمام روئے زمین کی دلچسپ سود مند اور نتیجہ خیز خبریں مختصر لیکن معنی خیز الفاظ میں درج ہوتی رہیں گی

(۷) ملک کے مشہور اور سحر نگار شعرا کا چیدہ چیدہ کلام بھی اس میں شائع ہوتا رہے گا۔

(۸) غیر ممالک کی زندہ اور مہذب اقوام کے دلچسپ اور مفید کوائف بھی درج ہوں گے۔ کہ فرزندان ہندوستان کے لئے باعث موعظت و عبرت ہوں۔

(۹) حفظ صحت اور تمدن کے متعلق بھی اس میں نہایت مفید معلومات بہم پہنچائے جائیں گے۔

(۱۰) اخباری جامعیت اس کا مقصود ہوگا۔

ان خوبیوں کا اخبار باوجود کاغذ کی سخت گرانی کے محض ۳ روپیہ سالانہ میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ درخواستیں جلد بھیجئے۔ اور فرمائشیں جلد بھجوائیے۔

امید کہ معاصرین کرام از راہ عنایت اس اطلاع کو اپنے اپنے گرامی قدر صحائف میں جگہ دے کر ہمیں ممنون منت کریں گے۔

منیجر "العصر" لاہور۔

نکات القرآن

حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل بی کے وجود باجود سے علمی و مذہبی دنیا بخوبی واقف ہے۔ آپنے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو لندن میں ووکنگ مسجد کے اہتمام میں چھپا ہے۔ اُردوخوان پبلک اور بالخصوص مسلمان احباب کو مبارک ہو کہ آپ نے قرآن کریم کے تفسیری نوٹوں کو اُردو میں بھی شائع کرنا شروع کر دیا ہے جس کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے حصہ میں صرف پارہ اوّل کے نوٹ ہیں۔ اور باقی تین پارے موسوم بہ نکات القرآن کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ حصہ اول کے متعلق ہندوستان کے ممتاز ترین اخبارات میں سے صرف وطن کی رائے درج کی جاتی ہے:۔

وطن ۱۳ اپریل ۱۹۱۵ء۔ مولوی محمد علیصاحب موصوف نے قرآن شریف کے پہلے پارہ کے تفسیری نوٹ لکھ کر شائع کئے ہیں ہمارے پاس بھی ایک کاپی لغرض ریویو انہوں نے بھیجی ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب موزوں اور قابل تعریف ہے۔ اس وقت تک کثرت مشاغل کے سبب بالاستیعاب اس کتاب کو پڑھنے کا موقع نہیں ملسکا لیکن جستہ جستہ مختلف مقامات کو ہم نے دیکھا ہے۔ اور اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ نہایت مفید کتاب ہے اسکی قدر مسلمانوں کو ضرور کرنی چاہیئے جیسی کہ مولوی صاحب کے علم و فضل سے توقع تھی انہوں نے زمانہ حال کی ضروریات اور غیر مذاہب والوں کے اعتراضات کو جو وہ قرآن شریف پر کیا کرتے ہیں پیش نظر رکھکر یہ نوٹ لکھے ہیں ہماری خواہش ہے کہ مولوی صاحب موصوف اسیطرح پورے قرآن شریف کے تفسیری نوٹ شائع کر سکیں ہم اپنی طرف سے اس کتاب کی پچاس جلدیں خرید کر مساجد کے ان اماموں کو جو کم استطاعت ہیں فائدہ عام کیلئے مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں"+

نکات القرآن حصہ اول۔ پارہ اول کی تفسیر قیمت ۶/

" " حصہ دوم۔ از ابتدائے پارہ دوم تا آخر سورہ بقرہ ۶/

" " حصہ سوم۔ سورہ آل عمران کی تفسیر ۸/

" " حصہ چہارم۔ سورہ النساء کی تفسیر ۶/

نوٹ: نکات القرآن کا انشاء اللہ تعالےٰ سلسلہ جاری رہیگا مستقل خریدار از راہ کرم اپنا نام درج رجسٹر کرا چھوڑیں۔ کہ جب کبھی کوئی نیا حصہ اس سلسلہ میں شائع ہو تو انکی خدمت میں ارسال کر دیا جایا کرے+

ملنے کا پتہ: مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو۔ احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل نولکھا۔ لاہور

ثمرو اسلامیہ

یہ تین کتابیں ہر مسلم گھر میں ہونی چاہئیں

یہ سہ سر کتب مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں جو تین خاص مضامین پر نایاب در بیمثل کتابیں ہیں۔ جو بہ تفصیل ذیل درج ہیں۔ آپکے مطالعہ کے قابل ہیں +

براہین نیرہ حصہ اول (معروف بہ زنبیل کامل الہام) قیمت ۱۲ر۔ اسمیں یہ دکھایا ہے کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے +

ام الالسنہ (معروف بہ زنبیل کامل الہامی زبان) قیمت ۱۲ر یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے اپنی نوع کی پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عربی الہامی زبان ہے اور کل دنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتداء سب ملکوں کے آباؤ اجداد عربی الاصل تھے یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے +

اسوۂ حسنہ (معروف بہ زنبیل کامل نبی) قیمت ۸ر اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عام حاصل کر چکی ہے اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے تو آپ کی ذات پاک ہی ہے +

نوٹ محصولڈاک بذمۂ خریدار ہوگا +

خطبات غربیہ

فی خطبہ (۳ر) اردو محصولڈاک بذمۂ خریدار۔ خطبات چھپ کر تیار ہیں۔ کاغذ کی قلت کی وجہ سے بہت ہی قلیل تعداد میں چھپوائے گئے ہیں۔ جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں احباب فرمائش میں عجلت سے کام لیں ورنہ بعد میں مایوس ہونا پڑیگا +

مصنفہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی مسلم مشنری ایڈیٹر اسلامک ریویو۔ مجریہ ووکنگ انگلینڈ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام لندن میں نا آشنایان اسلام کو اسلام سے معروف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کیلئے انگلستان فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر خطبے لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے۔ اسکے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اس کے اصولوں سے ہی واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے اسلام کی فضیلت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار خواہش پر اردو میں ترجمہ کرائے ہیں ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے انہیں چھ جلدوں میں حسب ذیل ترتیب دیا ہے :-

(۱) سلسلہ خطبات غربیہ ۱؎ موسوم بہ مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات
(۲) " " ۲؎ " "توحید۔ دعا۔ تصوف"
(۳) " " ۳؎ " "خطبات عیدین"
(۴) " " ۴؎ " "دہریوں اور ملحدین کو خطاب"
(۵) " " ۵؎ " "اسلام اور دیگر مذاہب"
(۶) " " ۶؎ " "حقوق نسواں"

نوٹ چھ خطبات کے مکمل سٹ کے خریدار سے ... ... عہ ر مجلد فی جلد عہ ر

المشتہر خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل لاہور